اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

مجموعۂ نظمِ حالی

اس کتاب میں مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی اُنیس نظمیں حسبِ ذیل شامل ہیں

باجازت مصنف

ایس۔ ایم حمید منیجر پنجاب نیشنل ایجنسی کے اہتمام سے

حالی پریس پانی پت میں طبع ہوا

خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل ہے اکثر انگریزی آرٹکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ اِن اسباب سے مغربی طرزِ تحریر اور مغربی طرزِ بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی تھی یہانتک کہ ۱۸۷۰ء میں سر سید احمد خاں نے پرچۂ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا جس کے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد ایک انقلابِ عظیم پیدا ہوگیا۔ اُردو۔ فارسی انشا پردازی کا قدیم طریقہ اُن کی نظر میں نہایت بخیف اور سبک معلوم ہونے لگا اور اپنی شاعری کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اُس وقت تک اُردو زبان میں موجود نہ تھا اور نہ ابتک موجود ہے۔ لیکن وہ جو مشہور ہے کہ "دیوانہ را ہوئے بس است"۔ جدّت پسند طبیعتوں پر جسقدر مغربی انشاپردازی کی لَے ابتک کھلی تھی وہی اُنکو لے اُڑی۔ بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہن مشق بھی جن پر قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اس مشاعرہ میں شریک ہونے لگے اگرچہ یہ صحبت مدت تک جمی رہی لیکن راقم صرف چار جلسوں میں شریک ہونے پایا تھا کہ بسبب ناموافقت آب و ہوا کے لاہور سے تبدیل ہوکر دہلی چلا آیا۔ مجھکو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اُسوقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہے اور نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا پورا پورا تتبع ایک ایسی ناملکل زبان میں جیسی کہ اُردو ہے ہو بھی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ و اغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اُس نفرت کو زیادہ مستحکم کردیا۔ اس ایک بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے انگریزی شاعری کے تتبع کا دعویٰ کیا جاسکے یا اپنے قدیم طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عائد ہو۔

چار مثنویاں جو اس مجموعہ میں سب سے اوّل درج کی گئی ہیں یعنے **برکھارت نشاطِ امید۔ حبِّ الوطن** اور **مناظرۂ رحم و انصاف**۔ اُسی مشاعرہ کی نظمیں ہیں جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اس کتاب میں داخل کی گئی ہیں۔ اُن کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو مشاعرۂ مذکور سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ محض بہ تقاضائے وقت و مقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض اکابرِ قوم وقتاً بعد وقتٍ وحیناً بعد حین ترتیب پاگئیں۔ جن سے چند عام طور پر شایع ہو گئی ہیں اور چند بالکل شایع نہیں ہوئیں۔ اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعہ سے بعض احباب نے پبلک کے نذر کی ہیں ؎

میرے اکثر دوست مدت سے متقاضی تھے کہ اپنے تمام ہفوات ایک جگہ جمع کرکے نکتہ نواز دوستوں سے داد - اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں امداد لوں لیکن جو نظمیں عام طور پر شایع ہو رہی ہیں جیسے **مدّوجزرِ اسلام** - **مناجاتِ بیوہ** **حقوقِ اولاد** اور **شکوۂ ہند** وغیرہ اُن کو اس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی - اور دیوان غزلیات و قطعات و رباعیات وغیرہ میں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اِسلیئے اُن کو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں جو ۱۸۷۴ء سے ابتک لکھی گئی ہیں سب ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں -

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہموطنوں سے جو کسی قسم کی جدّت کو پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعہ میں اُن کی ضیافتِ طبع کا کوئی سامان مجھ سے مہیا نہیں ہو سکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں اعتراف کرتا ہوں کہ طرز جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا - البتہ میں نے اُردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور ناپائدار بنیاد ڈالی ہے اُسپر عمارت چُننی اور اُس کو ایک قصرِ رفیع الشان بنانا ہماری آیندہ ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے جن سے اُمید ہے کہ اِس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑینگی -

پارۂ درخاکِ معنی تخمِ سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

نوٹ - مجموعۂ نظمِ حالی جس کو خود مولانا حالی نے مرتب کیا تھا اُسمیں چودہ نظمیں شامل تھیں - اُس وقت سے آجتک مولانا نے اور نظمیں بھی لکھی ہیں - جو نہ دیوان میں تھیں - نہ اب تک اِس مجموعہ میں شامل کی گئی تھیں - ہم نے اُن نظموں کو اِس مجموعہ میں شامل کردیا ہے - اِس لحاظ سے یہ اڈیشن بالکل جدید ہے - اُن نظموں کے عنوان یہ ہیں -

گدایانِ قوم - صدائے گدایانِ قوم - نظمِ رامپور - مرثیۂ حضرت ملکۂ معظمہ مرحومہ - تحفۃ الاخوان - اب کُل نظمیں جو اِس مجموعہ میں شامل ہیں تعداد کے لحاظ سے اُنیس ۱۹ ہیں -

(اڈیٹر جدید اڈیشن مجموعۂ نظمِ حالی)

برکھا رُت

مرتبہ سنہ ۱۸۷۴ء

گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کان — عارف کے لیے کتاب عرفان
وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد
وہ آئی تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان
گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے — اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سست — گھڑیال تھے رودبار میں سست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گؤوں کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا — اور اُنس نکل رہا تھا سب کا
طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا
آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے
تھی آگ کا دے رہی ہوا کام — تھا آگ کا نام مفت بدنام

رستوں میں سوار اور پیدل
گھوڑوں کے نہ آگے اٹھتے تھے پانو
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
بجھتی نہ تھی آتشِ درونی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات
خلقت کا ہجوم جن پہ اکثر تھا
تھا شہر میں قحطِ آدمی زاد
پانی سے تھی سب کی زندگانی
تھیں برف پہ ٹٹیاں لپکتی
پھل پھول کی دیکھکر طراوت
کنجڑوں کی وہ بولیاں سہانی
تھے جو خفقانی اور مراقی
کھانے کا نہ تھا انھیں مزا کچھ
بن کھائے کئی کئی دن اکثر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے
اور صبح سے شام تک برابر
بچوں کا ہوا تھا حال بےحال
آنکھوں میں تھا اُن کا پیاس سے دم
ہر بار پکارتے تھے ماں کو

سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل
جلتی تھی کہیں جورو کہیں کی چھاتی
پانی کی جگہ برستی تھی خاک
وہ بادِ سموم سے سوا تھی
لگتی تھی ہوا سے آگ دونی
جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک
تہ خانہ میں موںھ چھپاتا کوئی
آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ
یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
سلطان[1] کا اک کنواں تھا آباد
میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی
فالودہ پہ رال تھی ٹپکتی
پاتے تھے دل وجگر طراوت
بھر آتا تھا سب کے موںھ میں پانی
گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
ہر پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
تھا العطش العطش زباں پر
کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
تھے پانی کو دیکھ کرتے ہم ہم
ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو

[1] لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

پانی دیا گر کسی نے لا کر
بچّے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر
تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
ہے ابر کی فوج آگے آگے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے
ہے چرخ پہ چھاونی سی چھاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
توپوں کی ہے جبکہ باڑھ چلتی
مینہ کا ہے زمین پر دڑ پڑا
بجلی ہے کبھی جو کوندجاتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
سورج نے نقاب لی ہے مُنہ پر
باغوں نے کیا ہے غسل صحّت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور
بُٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو
کویل کی ہے کوک جی لبھاتی
مینڈک ہیں جو بولنے پہ آتے

پھر چھوڑتے تھے نہ مُنہ لگا کر
تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر
پانی سے نہ تھی کسیکو سیری
بر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پچھوا سے خدائی بھر رہی ہے
اک شور ہے آسماں پہ برپا
اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
اک آتی ہے فوج ایک جاتی
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
چھاتی ہے زمین کی دہلتی
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں
قدرت ہے نظر خدا کی آتی
اور دُھوپ نے تہ کیا ہے بستر
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
ہے چار طرف برس رہا نور
اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
عالم ہے تمام لاجوردی
دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
ہے گونج رہا تمام جنگل
اور مور جھنگارتے ہیں ہر سو
گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
سنسار کو سر پہ ہیں اُٹھاتے

سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر
زردار ہیں اپنے مال میں مست
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی
جاتا ہے کوئی ملار گاتا
بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے
سُر دان کوئی پکار رہا ہے بیٹھا
رکھشک جو بڑے ہیں جتن مت کے
کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا

پانی میں مگر کچھار میں شیر
قلانچ ہیں اپنی کھال میں مست
کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
یَا رَبِّ لَنَا وَ لَا عَلَیْنَا
کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
ہے دیس میں کوئی گنگناتا
اور بانسریاں بجاتے پھرتے
چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
ڈھلکتے ہیں دِیوں پہ جلتے پھرتے
تا جل نہ سکے کوئی پتنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری
تجھ سے ہی کھلا یہ رازِ قدرت
شکر یہ فیضِ عام تیرا
گلشن کو دیا جمال تو نے
طاؤس کو ناچنا بتایا
جب مور ہے ناچنے پہ آتا
کوئل کو نہیں قرار اک پل
شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں
سوتے تو اساڑھ کا عمل تھا
[illegible] میں شب ہوئی تھی [illegible]
امرت سا ہوا میں بھر دیا ہے
دریا تجھ بن سسک رہے تھے

انسان سے لے کے تا جمادات
سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
راحت ملتی ہے بعد کلفت
پیشانی دہر پہ ہے لکھا
کھیتی کو کیا نہال تو نے
کوئل کو الاپنا سکھایا
آپے سے ہے اپنے گزرا جاتا
ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں
اُٹھے تو سماں ہے ماہ کا سا
کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
اک رات میں تو نے کر دیا پُر
اور پن تری راہ تک رہے تھے

رُت آم کی آئی اور نہ ہوں یار
تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی
پردیس میں سمجھ گیا ہو جی شاد

جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار
چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی
پر دل میں ہے آگ سی سُلگتی
جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد

نشتر کی طرح سے دل میں چبھتی
تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر
پھر غور سے اک نظر جو ڈالی

نشتر یا یہ دردناک اُس کی
پہچان گیا دل سُن اُس کی آواز
رو رہا ہے کہاں کا یہ مسافر
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

نشاطِ امید

مرتبہ ۱۸۷۴ء

اے مری اُمید مری جاں نواز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کاٹنے والی غمِ ایام کی
دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ
تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج
تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو
نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
رام کے ہمراہ پھری بن میں تو

اے مری دلسوز مری کارساز
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
تھامنے والی دلِ ناکام کی
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ
تو نے اُٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج
تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس
عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو
چاہ میں یوسف کی دلآرا تھی تو
پانڈوؤں کے ساتھ چڑھی رن میں تو

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
ہو گیا فرہاد کا قصہ تمام
تو نے ہی رانجھے کی بندھوائی آس
ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب
ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ
ساتھ دیا جس کو ترا دو قدم
گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
بحر ہو کوہ جب دیکھے تو کیسی حقیقت
تو نے دیا آکے ابھارا جہاں
ذرے کو خورشید میں دے تو کھپا

تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل
پڑ تیرے قدموں پہ رہا خوش مدام
پھیر تھی فرقت میں بھی آیا کہ پاس
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب
سات سمندر سے گزرنا ہے بات
کہتا ہے وہ دیدے عرب اور عجم
سامنے سے تیرے گیا اور تراگ
گنبد گردوں نظر آتا ہے پست
سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں
ہمت کو اٹھنے دے تو بڑا

دونو جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ
نیکیوں کی تجھ سے ہے قایم اساس
دین کی تجھ بن کہیں پرسش نہ ہو
خشک تھا بن تیرے درخت عمل
دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور
نام ہے سدرہ کبھی طوبیٰ ترا
کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل
رتبہ ہے تیرا بھی ہر جلوہ ہے تیرا الگ
ایک سے ہے ایک انوکھا برن
ایک ادا میں تری لاکھوں خوشی
کوہ ہمالہ میں بہت جا گئے
تیرے تصور میں ہزاروں ولی
[illegible]
[illegible]

دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ
تو نہ ہو تو جا بیٹھے نیکی کے پاس
تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو
تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل
گاہ دکھاتی ہے شراب طہور
روز نرالا ہے تماشا ترا
جلوے ہیں سب تیرے ہی قال و قیل
ہے کہیں فردوس کہیں ہے نرک
ہے کہیں محشر کہیں آواگون
چھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی
اور تپسیا میں بہت جل بجھے
ڈوبے کچھ ایسے کہ نہ اچھلے کبھی
دل کی تو خوش آئی ہے ہر دم [illegible]
ہو سب [illegible] وہ ہزار سا

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلے کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اڑتا ہے خاکا کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رخت سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے امید

حُبِّ وطن

مرثیہ ۱۸۷۴ء

اے سپہر بریں کے سیارو!
اے فضائے زمیں کے گلزارو!

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا!
اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا!

اے عنادل کے نغمۂ سحری!
اے شبِ ماہتاب تاروں بھری!

اے نسیمِ بہار کے جھونکو!
دہرِ ناپائدار کے دھوکو!

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز
تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رمنا
تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے
تم مرے دردِ دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی
تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی
جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری
دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے
ہوکے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب
دھوکے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

کوہ و صحرا و آسمان و زمیں
سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار
جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے

سیرِ گلشن ہے جی کا اک جنجال
شبِ مہتاب جان کو ہے وبال

کوہ و صحرا سے تا لبِ دریا
جس طرف جائیں جی نہیں لگتا

کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور

گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا
پر نہیں ہمکو لطف دنیا کا

اے وطن اے مری بہشتِ بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں

رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

تیری دوری ہے موردِ آلام
تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے

مٹ گیا نقش کامرانی کا
تجھ سے تھا لطف زندگانی کا

جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
اُن کو کیا ہو گا زندگی کا مزا

ہو گیا یاں تو دو ہی دن میں یہ حال
تجھ بن اک ایک پل ہے اک اک سال

سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے

میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
یا کہ دنیا ہے تیری عاشقِ زار

کیا زمانہ کو تو عزیز نہیں
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں

جن و انسان کی حیات ہے تو
مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو

ہے نباتات کو نمو تجھ سے
روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہونے

سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا

تیری ہی اک مُشتِ خاک کے بدلے
جان جب تک نہ ہو بدن سے جُدا

لُوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جُدا

حملہ جب قومِ آریا نے کیا
ملک والے بہت سے کام آئے
شُودر کہلائے داسیو کہلائے
گو غلامی کا لگ گیا دھبّا

اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا
جو بچے وہ غلام کہلائے
رنج پردیس کے مگر نہ اُٹھائے
نہ چھُٹا اُن سے دیس پر نہ چھُٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی
جب ملا رامچندر کو بن باس
باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
پانو اُٹھتا تھا اُس کا بن کی طرف
گزرے غربت میں اسقدر مہ و سال
دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا
تیر اک دل میں آ کے لگتا تھا
کٹنے چودہ برس ہوئے تھے محال

پوچھے پردیسیوں کے جی سے کوئی
اور نکلا وطن سے ہو کے اُداس
پر چلا ساتھ لے کے داغ جگر
اور کھنچتا تھا دل وطن کی طرف
پر نہ بھولا اجودھیا کا خیال
دل میں کانٹا سا اک کھٹکتا رہا
آتی تھی جب اجودھیا کی ہوا
گویا ایک ایک جُگ تھا اک اک سال

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی
رشتے اُلفت کے سارے توڑ چکے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا
دل لگی کے بہت ملے ساماں
دل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے
گھر جنا دُنے جن کی چھوٹا تھا

سیّد البطحیٰ کے ہمراہی
اور بالکل وطن کو چھوڑ چکے
پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
پر نہ بھولے وطن کے ریگستاں
سنگریزے زمینِ بطحا کے
دل سے رشتہ نہ اُن کا ٹوٹا تھا

ہو چکیں یوسفؑ کی سختیاں جب دُور

اور ہوا ملکِ مصر پہ مامور

مصر میں چار سو تھا حکم رواں
آنکھ تھی جانب وطن نگراں

یاد کنعاں جب اسکو آتی تھی
سلطنت ساری بھول جاتی تھی

دکھ اٹھائے تھے جس وطن میں سخت
تاج بھاتا تھا اُس بغیر نہ تخت

جن سے دیکھی تھی سخت بے مہری
لو تھی اُن بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حبِّ وطن میں گو ہیں غرق
ہم میں اور اُن میں ہے مگر یہ فرق

ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے
وہ تھے اہلِ وطن کے پروانے

جسنے یوسفؑ کی داستاں ہے سُنی
جانتا ہو گا روئداد اُس کی

مصر میں قحط جب پڑا آکر
اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر

کر دیا اُن پہ وقف بیت المال
لب تک آنے دیا نہ حرفِ سوال

کھتّیاں اور کوٹھے کھول دئے
مُفت سارے ذخیرے تول دئے

قافلے خالی ہاتھ آتے تھے
اور بھرپُور واں سے جاتے تھے

یوں گئے قحط کے وہ سال گذر
جیسے بچّوں کی بھوک وقت سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار
خواب غفلت سے ہو ذرا بیدار

او شراب خودی کے متوالے!
گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے!

نام ہے کیا اِسی کا حُبِّ وطن
جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن

کبھی بچّوں کا دھیان آتا ہے
کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی
لو کبھی اہلِ شہر کی ہے لگی

نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار
پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار

کیا وطن کی یہی محبّت ہے
یہ بھی الفت میں کوئی اُلفت ہے

اس میں انساں سے کم نہیں ہیں درند
اس سے خالی نہیں چرند و پرند

ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں
سوکھ جاتے ہیں روکھ فرقت میں

جا کے کابل میں آم کا پودا
کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا

آ کے کابل سے یاں بہی و انار
ہو نہیں سکتے بارور زنہار

مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے
ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے

آگ سے جب ہوا سمندر دور
اُس کو جینے کا پھر نہیں مقدور

گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں
جان کے لالے اُن کے پڑتے ہیں

گلے یا بھینس اونٹ یا بکری
اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

ہے کیسے حُبِّ وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
نوعِ انساں کا جسکو سمجھیں فرد

جسپہ اطلاق آدمی ہو صحیح
جسکو حیوان پہ دے سکیں ترجیح

قوم پہ کوئی زد نہ دیکھ سکے
قوم کا حال بد نہ دیکھ سکے

قوم سے جان تک عزیز نہو
قوم سے بڑھکے کوئی چیز نہو

سمجھے اُن کی خوشی کو راحتِ جاں
واں جو نوروز ہو تو عید ہو یاں

رنج کو اُن کے سمجھے مایۂ غم
واں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم

بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل
دیکھکر بھائیوں کو خوار و ذلیل

جب پڑے اُنپہ گردشِ افلاک
اپنی آسایشوں پہ ڈالدے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو
اٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ
دل کو دُکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک
کرو دامن سے تا گریباں چاک

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ
ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار
زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا
اُن کو وہ خواب میں نہیں ملتا

جسپہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو
واں میسّر نہیں وہ اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی
جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ
کہ ہے اُترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی اُنمیں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند
کوئی آزردہ ہے کوئی خرسند
مقبلو! تم بدوں کو یاد کرو
خوش دلو! غمزدوں کو شاد کرو
جاگنے والو! غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو! ڈوبتوں کو تراؤ
ہیں ملے تم کو چشم و گوش اگر
لو جو لی جائے کور و کر کی خبر
تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو
لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو
تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ
رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ہو مسلمان اس میں یا ہندو
بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی
جین مت ہووے یا ہو ویشنوی
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو
سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ
لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ
پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی
پانو اقبال کے اکھڑنے لگے
ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے
کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا
کبھی درانیوں نے زر لوٹا
کبھی نادر نے قتل عام کیا
کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر کو لے گئی بازی
ایک شائستہ قوم مغرب کی
یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام
کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام
ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم
پڑتی جو سر پہ وہ اٹھاتے تم
ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
چین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو تمہارے ہیں برتاؤ
سوچو اے میرے پیارو اور ٹھہراؤ
اہل دولت کو ہے یہ استغنا
کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا

شہر میں قحط کی دہائی ہے
جان عالم لبوں پہ آئی ہے

بھوک میں ہے کوئی نڈھال پڑا
موت کی مانگتا ہے کوئی دعا

بچے اک گھر میں بلبلاتے ہیں
روکے ماں باپ کو رلاتے ہیں

کوئی پھرتا ہے مانگتا در در
ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر

پر جو ہیں اُن میں صاحبِ مقدور
اُن میں گنتی کے ہونگے ایسے غیور

کہ انھیں بھائیوں کا غم ہوگا
اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا

جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد
دل کے نامرد اور نام کے مرد

عیش میں جنکے کٹتے ہیں اوقات
عید ہے دن تو شب برات ہے رات

قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے
کام انھیں اپنے حلوے مانڈے سے

ان کو اب تک خبر نہیں اصلا
شہر میں بھاؤ کیا ہے غلہ کا

غلہ ارزاں ہے اندنوں کہ گراں
کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں

کال کیا شے ہے کس کو کہتے ہیں بھوک
بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک

سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے
اُن کے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہلِ دولت کا سن چکے تم حال
اب سنو رودادِ اہلِ کمال

فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد
پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد

ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا
ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا

رہتے دو اہلِ علم ہیں اس طرح
پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح

عیدو[1] والوں کا ہے اگر پٹھا
شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار
خوشنویسوں کو ہے یہی آزار

لاکھ نیکوں کا کیوں نہو اک نیک
دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک

اسپہ طرہ یہ ہے کہ اہلِ ہنر
دور سب سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر

ملی اک گانٹھ جسکو ہلدی کی
اُس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری

نسخہ اک طب کا جسکو آتا ہے
سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

[1] عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو متقابل گروہ دلی میں تھے جنمیں سے ایک کے سرگروہ اور اُستاد کا نام عیدو اور دوسرے کا نام شیخو تھا

جسکو آتا ہے پھونکنا کشتہ
جسکو ہے کچھ رمل میں معلومات
باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
کام گنڈے کا جسکو ہے معلوم
الغرض جس کے پاس ہے کچھ چیز
قوم پر اُن کا کچھ نہیں احساں
سب کمالات اور ہنر ان کے
قوم کیا کہہ کے ان کو رو دے گی
تربیت یافتہ ہیں جو یاں کے
بھرتے حبِّ وطن کا گو دم ہیں
قوم کو اُن سے جو اُمیدیں تھیں
ہسٹری ان کی اور جوگرفی
بند اُس قفل میں ہے علم اُن کا
لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے
کرتے پھرتے ہیں سیرِ گل تنہا
اہلِ انصاف شرم کی جا ہے
تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ
یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج
منہ کو ایک اک تمہارے ہے تکتا
آپ شائستہ ہیں تو اپنے لیے
میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ
منڈا جوتا اگر آپ کو ہے پسند
قوم پر کرتے ہو اگر احساں
کچھ دنوں عیش میں خلل ڈالو
علم کو کر دو کو بہ کو ارزاں

ہے ہماری طرف سے وہ گونگا
وہ نہیں کرتا سیدھے منہ سے بات
بھید پاتا نہیں منجّم کا
ہے زمانہ میں اُسکے بخل کی دھوم
جان سے بھی سوا ہے اُسکو عزیز
ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں
قبر میں ان کے ساتھ جائینگے
نام پر کیونکہ جان کھوئے گی
خواہ بی اے ہوں ایں یا ایم اے
پر محبِّ وطن بہت کم ہیں
اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں
سات پردوں میں منہ دیے ہے پڑی
جسکی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا
گویا گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے
کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا
گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے
تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ
ہموطن اسکے ہیں بہت محتاج
کہ نکلتا ہے منہ سے آپ کے کیا
کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کیجیے
قوم سے پوچھیے تو ہیں بے [illegible]
قوم کو آپ سے [illegible] ہرگز نہ
تو دکھا دو کچھ اپنا جوشِ نہاں
[illegible] الگ ڈالو
[illegible] انگلستاں

سنتے ہو سامعین با تمکیں | سنتے ہو حاضرینِ صدر نشیں
جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد | بندۂ قوم اُن کے ہیں زن و مرد
باپ کی ہے دعا یہ بہر پسر | قوم کی میں بناؤں اسکو سپر
ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد | قوم پر سے نثار ہو اولاد
بھائی آپس میں کرتے ہیں بیاں | تو اگر مال دے تو میں دل و جاں
اہلِ ملت کما کے لاتے ہیں | ہموطن فائدے اٹھاتے ہیں
کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری | دخل اور خرچ جن کے ہیں بھاری
اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم | بحثِ حکمت و ادب قائم
نت نئے کھلتے ہیں دواخانے | بٹتے ہیں سینکڑوں شفا خانے
ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر | قوم پر اُن کی فرض ہے تدبیر
ہیں سدا اس اُدھیڑ بُن میں طبیب | کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب
قوم کو پہنچے منفعت جس سے | ملک میں پھیلیں فائدے جس کے
رستمِ ہند کا لقب جہاں پایا | حملہ پر حملہ اُس پہ ہوتے تھکا
کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر | کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر
ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے | دوسرا اُس کو کر دکھاتا ہے
لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں | آخر اُس کو مٹا کے چھوڑتے ہیں
قوم کی خاطر اُن کے ہیں سب کام | خواہ اُس میں سفر ہو خواہ مقام
سینکڑوں گلرخ اور مہ پارے | لاڈلے ماں کے باپ کے پالے
جان اپنی لیے ہتھیلی پر | کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر
شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے | پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے
جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل | ملک کا آئے کوئی کام نکل
کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں | مر گئے سینکڑوں پہاڑوں میں
لکھے جب تک جیے سفرنامے | چلدیے ہاتھ میں قلم تھامے
گو سفر میں اٹھائے رنج کمال | کر دیا پر وطن کو اپنے نہال
ہیں اب اُنکے گواہِ حبِ وطن | در و دیوارِ پیرس و لندن

کہیے دنیا کا جسکو باغ جناں — ہے فرانس آج یا ہے انگلستاں
کام میں سب بشر کے ہموطنو — تم سے بھی ہو سکیں تو مرد بنو
چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ — بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ
قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں — رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں
قافلوں سے اگر ملا چاہو — ملک اور قوم کا بھلا چاہو
گر رہا چاہتے ہو عزت سے — بھائیوں کو نکالو ذلت سے
اُن کی عزت تمہاری عزت ہے — اُن کی ذلت تمہاری ذلت ہے
قوم کا مبتذل ہے جو انساں — بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطاں
قوم دنیا میں جس کی ہے ممتاز — ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز
عزت قوم چاہتے ہو اگر — جا کے پھیلاؤ اُن میں علم و ہنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور — اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سیّد کا افتخار صحیح — نہ برہمن کو شدر پر ترجیح
ہوئی ترکی تمام خانوں کی — کٹ گئی جڑ سبھی خاندانوں کی
قوم کی عزت اب ہنر سے ہے — علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا — بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات — یاد رکھنا ہماری آج کی بات
گر نہیں سنتے قول حالی کا — پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

مناظرہ رحم و انصاف

مرقومہ ۱۸۷۴ء

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا — کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا
[illegible] ترے [illegible] ہیں — ہاں مگر ہم بھی کہ ہے کون سی خوبی تجھ میں
دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں — [illegible] تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
قتلِ انسان ہمیشہ سے ہے عادت تیری
جان اور مال سے نمرود کو کھویا تونے
فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
قیدخانوں میں جہاں کے ہے پڑا غل تیرا
تیرے فتوے پہ کروڑوں ہوئے سر تن سے جُدا
لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوشِ غضب
کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
جان پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست
نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی امداد
دم میں تو صحبتِ دیرینہ بھلا دیتا ہے
طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا
ہٹ پہ تو اپنی جہاں نامِ خدا آجائے
اسی کم توت پہ اے عدل یہ دعوی ہے تجھے
ایک تو ہے کہ یگانوں سے بھی ہیں دل تجھ سے فگار
رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا
حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں
میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول
لطف ہے عام سدا اہلِ خطا پر میرا
غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں
مجرمی شرم و مروّت مرے دربار کے ہیں
موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم
مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے
میں ہی گھر گھر میں پہنچ جاتا ہوں انسان کے شریک
میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جا کر

دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں
سینکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تونے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے
جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دُعا
اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے جُدا
تجھ کو خُرد وں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب
تجھ سے تھرّاتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا
یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد
دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے
تجھسا روکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے
کہ بنا امن کی دُنیا میں ہے قایم مجھ سے
ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار
فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا
خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں
میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول
ہاتھ اُٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا
ہنستے جاتے ہیں جو یہاں روتے ہوئے آئے ہیں
بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں
یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں اُمید کے گم
اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے
میں ہی ہوتا ہوں تو دیتا کوئی محتاج کو بھیک
میں ہی لیتا ہوں بچے جا میں رانڈوں کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی
میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پُتلا
میں نہ ہوتا تو بھلا اُسکا ٹھکانا کیا تھا

بیڑا فرعون کا جب غرقِ فنا ہوتا تھا
میں وہاں ساحلِ دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھسے ہوتے اگر اے عدل جہاں میں دوچار
لُٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سُنا رحم سے یہہ ولولہ انگیز خطاب
کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اسکا جواب

آپ کی نیکیوں سے کس کو ہے انکار یہاں
کیونکہ ہے ذکرِ جمیل آپ کا مشہورِ جہاں

مگر اے رحم بُرا ماننے کی بات نہیں
نیکیاں آپ کو کردیں نہ یہ بدنام کہیں

ہم نے مانا کہ مروّت بھی بڑی ہے اِک چیز
پر مروّت کے لیے شرط ہے اے دوست تمیز

کھودیا جس نے مروّت کو یہاں عام کیا
اُسکو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول میٹھے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں
اس مروّت نے تری سینکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستوں کو ہے اشارہ کہ کسی سے نہ ڈرو
دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ چاہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
لیے پھرتی ہے اُچکّوں کو حمایت تیری

جتنے قزاق ہیں یاں اُن کا مددگار ہے تو
اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ سالار ہے تو

ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرماں
ہمکو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویراں

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزندِ رشید
اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے اُستاد کی گھُرکی کو نہیں مانتے کچھ
بدمعاش اہلِ پولس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بہوار
سمجھو دیوانِ عدالت کو کہ ہے اِک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے واں پھرتے ہیں حاجت والے
اور منھ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروّت سے انھیں خوفِ مآل
"بول کیا لایا ہے" اظہار کا پہلا ہی سوال

ہر طرف بیچ میں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے
دونوں ہاتھوں سے غرضمندوں کو ہیں لوٹ رہے

یوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت
خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں اور شر ہیں بہت

ایک رہزن کو جو تو قید سے چھٹواتا ہے
بیسیوں قافلوں کو جان کے لٹواتا ہے

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
بے ادب رکھنا اُسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اُٹھنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ
یہ سلوک اچھّے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا
کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم
بے مروّت ہوتا اگر میں تو یہ جوہر ہے مرا
راستبازی جو سُنی ہو وہ طبیعت ہے مری
معتدل نام ہے جسکا وہ مزاج اپنا ہے
میں ہی تھا جس نے کہ ویرانوں کو آباد کیا
حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ناموری
کھو دیا میں نے نشاں سلطنتِ شخصی کا
مجلسیں سینکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
حکم و قانون کسی شخص پہ مقیّد نہ رہا
جس طرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں
ہر ذرا جس نے اٹھایا اُسے کھو کر چھوڑا
حکم عالم میں مرا مشرق سے تا غرب ہے عام
راستی کی نہیں میری کسی حالت میں خطا
میں کھا دیتا سیاست کی اگر اپنی تلوار
کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
وہاں تعصّب کا پتا اور نہ عداوت کا گزر
حکم جاری ہے جو ہر دیکھے آزادی کا
کجروی اکڑ سے کہتی ہے میں آئی تو کہیں
پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
ساتھ پردوں کے اگر عیب کسی کا ہے چھپا
ہیں خطا کار کے دشمن در و دیوار یہاں
اور نہ یہ حد سے ہے پاک کسی کا دامن
نہ رعیت کا اُسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ عدالت میں اُسے ڈر کسی تسمہ پا ہی کا

تیرا آغاز تو اچھا ہے پہ انجام بُرا
اپنے اندازے سے باہر نہ نکلتا اے رحم
جسکو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری
بھاگ اس ملک کے جس ملک میں راج اپنا ہو
میں ہی تھا جس نے کہ غلاموں کو آزاد کیا
رائے سے میری بنیں سلطنتیں جمہوری
اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا
راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا
میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں
باپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا
جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام
تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانے پہ سدا
چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار
دم نہیں مارتی واں تیری مروّت اے رحم
نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبّت کا اثر
بڑھ کے چلتا نہیں واں شاہ سے رتبہ گدا
ٹیڑھے ترچھے تکے بل اک آنکھ جاتے ہیں نکل
جو کنوڈے ہیں وہی مجھسے کھٹکتے ہیں سدا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا مقرّر رسوا
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں
غم نہیں اُس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن
نہ اُسے چور کا خطرہ نہ اُسے ساہ کا ڈر
اور نہ کچھ دغدغہ جباروں کی آزادی کا

جو ہنر مند ہیں ال انکے بڑھاتا ہیں یوں
خوبیاں انکی زمانہ میں جتاتا ہیں یوں

سب ہنر مند کی پیرایہ میں یاں جلوہ نما
عیب ہیں میرے ہنر مند نہیں بن سکتا

یاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پہ اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم
مستفید انکی طرح کرتے ہیں انکو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا
بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرتے پاتے نہیں گاہک پہ دکاندار ستم
جنس یاں تل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیل ہو جہ نہیں اگر کسی کا کھاتا
سارباں ہے گھوڑے پہ چابک نہیں اٹھنے پاتا

اپنے اونچوں سے یاں لیتے نہیں سبقت پوری
اور مزدوروں کو دیتے ہیں پوری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یاں خستہ و دل شاد ہیں سب
خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
زر دستار آنکھ بچاتے نہیں کھرے کھوٹے سے

خوب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت
باپ سے کم نہیں لگتی کہیں تصویر نشست

جھوٹے سچوں کا نہیں بھیس بدلنے پاتے
داد بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے

جس طرف جائیے یاں امن و اماں کا ہے عمل
فتنہ و شر عدالت سے پرے جاتا ہے نکل

جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرمان
ظالم کے ہاتھ ہیں واں حکم نکل کی ہے زبان

دوست العبد کے ہیں تحفہ سے معتوب[۱] جہاں
اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں

نیک فرزند یہاں باپ کے جو نطفہ نکوش
زہر کھیں کیسے پھرتے ہیں وہ انکے مدہوش

مان رکھا ہے جنہیں قوم نے اولاد رسول
قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں وہ بیچارے مقتول

زکریا کی طرح جو ہیں خدا کے پیارے
انکے سر ہوتے ہیں سر اظلم کے چلتے آرے

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں
اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم پہ انصاف کی جب آ پہنچی
عقل پرکار قضا کار واں جا پہنچی

واں جو دیکھا تو ہے دو بجا ہو نہیں کچھ تکرار
اور ہر اک کو بڑی پر ہے اپنی اصرار

رحم ادہر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز
اور ادہر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز

---

۱ صحیح لفظ معاتب ہے مگر اردو میں بجائے معاتب کے معتوب بولا جاتا ہے۔ جیسے بجائے معفو کے معاف
پس اردو میں یہی صحیح ہے اور یہی فصیح +

عقل نے دونوں کی تقریر سنی سر تا پا
کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُن کو دیا

خیر۔ اک کان ہے تم چکے ہو جوہر دونو
ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں

صاف کہتی ہوں سن لے رحم نہیں اسمیں خلاف
تو ہے اک قالب بے روح ہو گر انصاف

اور سن لے عدل نہیں اسمیں تکلف سر مو
گر نہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونوں تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب
گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو
اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ میں تم دونوں کو جھٹلاتی ہوں
لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو
جبکہ تم ایک ہو آپسمیں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام سکا
کہیں مظلوم کی فریادرسی کام اُس کا

رحم کہلائی جو مظلوم کی فریاد سنی
عدل ٹھیری جو سزا ظالم بے رحم کو دی

وہی شفقت ہے کہ اُستاد کی ہے مار کبھی
اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی

وہی شفقت ہے کہ ہے گھور کہیں پیار کہیں
وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے
اور کہیں قہر کے پردہ میں نہاں ہوتی ہے

کہیں وہ قندِ مکرر کا مزا دیتی ہے
اور کہیں چاشنیِ موت چکھا دیتی ہے

یہی شفقت تھی کہ جب اُسنے سجھایا انجام
شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام

یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بیجان پسر
ایک برچھی سی لگی باپ کے دلمیں آکر

یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے
یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی
اور وہی ساتھ ہی حالی نے شہادت اسکی

رہی باقی نہ فسر یقین کو جائے انکار
چار و ناچار کیا یک جہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ تھے گویا ایک
ملے ہیں باہم کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

مُسدّس موسوم بہ ننگِ خدمت

مرتبہ سنہ ۱۸۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یادِ ایّام کہ بیرنگ تھی تصویر جہاں
دستِ مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں
گلِ خودرو سے بسا تھا چمنِ کون و مکاں
چار سو حسن خداداد کا سکہ تھا رواں
وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیّر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر
تھے ہم ایک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر
طبع نے نکہتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خواب غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم
مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے استادِ ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی
عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
روبرو جسکے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جسمیں نہ سماتا تھا کوئی
روح تھی بادۂ دوشینہ سے ابھی بدمست

تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم
تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا
آ کے دنیا میں بہت پانو نہ پھیلاتے تھے
اِک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
مل گیا جو اُسے انعامِ خدا جانتے تھے
روکھ کی چھانو کو ہم ظلِّ ہما جانتے تھے
نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے
طاعتِ نفسِ فرومایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گذران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرف بلوریں درکار
طے اِنھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہگذر
انھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنی مدار
شرم آتی تھی نہ ہل جوت کے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دست و بازو کی بدولت تھا ہمیں عیش مدام
دیتے تھے کلۂ بریاں کا مزا گندمِ خام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام
پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا ساماں
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشاں
نانِ جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہماں
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں
طبلِ ظاہر کی نمائش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطفِ ہوا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عینِ صفا
آندھیوں نے کئے انجام کو طوفاں برپا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

ہوتے ہوتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں اے روشیں تازہ بدلنے والے!
موم کی طرح ہر ایک سانچے میں ڈھلنے والے!
نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
روز اک سانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہے کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہموزن تھے سب خورد و کلاں
ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکارِ زماں
لہلہاتی تھی ہر اک نوع کی کھیتی یکساں
شہر و ویرانہ و آبادہ میں تھا ایک سماں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلاً
کوئی پلّہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو
حاجتیں لے کے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خود رو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلّب کا اک اٹھا طوفاں
اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
جس کے صدمے سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جائے اماں

تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پر لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستۂ ہر باب بنایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوقِ خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

درِ مخلوق کو ہم ملجا و ماویٰ سمجھے
طاعتِ خلق کو اعزاز کا منشا سمجھے

پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گننے لگے نجّاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو

نوکری ٹھیری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسیواسطے اِک اِک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا الفتہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اُسکی ادا
ایک افسر ہو تو حکم اُسکا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جُدا عَمرو کی تجویز جُدا
ایک بندہ کو بُھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھّر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اِسکا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیمِ گناہ
کہیں غمّازہ کا دھڑکا کہیں خوفِ بدخواہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہو جن سے نباہ
خدمت اِک بارِ گراں ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھّر پہ تو پتھّر میں گرانی نہ رہے
گذرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
بے سبب اُن پہ گزرتی ہیں جفائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دُعائیں اکثر

غیرت آئی جنھیں وہ ٹھہرنے پاتے نہیں یاں
جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یاں

کیجیے فرض کہ ہے زید بڑا منصبدار
اور عمرو اُس کا ہے اک بندۂ فرمانبردار
فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار
کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں
قید میں جسم ہیں ذلّت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اس کا ادب اور تعظیم
زید کی تحقیر کیوں ہے گر ہے دل میں خوف و بیم

کرنی پڑتی ہے اسے بھی کہیں جھک کر تسلیم
جا کے سننا ہے کہیں زید بھی الفاظ سقیم

پاجی احمق است سہنے کا اگر ہے دستور
لاعلم قول اس کو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرت عالی شان جو نوکر ہیں قدیم
مالکوں کے افلاس پر جھیلتے پڑتے ہیں ستم

کا دو خزانے ہیں کیا جانے کس بات میں کم
ذلّتیں ان کے لئے بھی ہیں مہیّا ہر دم

نوکریِ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑ کے جب آتا ہے گوپال
نوکری نے جو یہی دکھلایا ملک اقبال

مدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یاں عیش وصال
چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جو اب محال

عمر بھر چھٹا یار سے بچھڑے تو عیش ورنہ نہ چھوٹا
ایک ذلّت ہی او سارا زمانہ چھوٹا

آگئی گردن میں اگر قید کی رسّی ہے پڑی
تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی

اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی
نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغ بے پر کی طرح قیدیِ صیاد ہیں ہم
کیسے چپ سر کو سنی محبت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ مشقت سے اگر وہ رنجور
دیکھ لیتے نہیں جب تک کہ ہوئے روگ سے دور

مالک ان کی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے انکو معذور

جانتے ہیں یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بن جائے مشقت سے یہاں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدور کا دنیا میں جہاں

نہیں امید کہ گذرے گی جو غم سر پہ گراں
نہ ہوا ایک تو رکتی نہیں تقسیم کیاں

پھرتے ہیں بھیس میں مال دیتے وہاں لا الحول

گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

جو کسی کا نہیں ماتحت ہو یا ہو افسر ۔ ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
یہی کھٹ بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام وسحر ۔ فی المثل ایک کرایہ کی دکاں سے نوکر

رہے۔ جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
جب لگی بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا ۔ کہ نہیں خدمتِ ہمجنس کا ان پر دھبّا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو اس میں گدھا ۔ ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

اس سے بڑھکر نہیں ذلّت کی کوئی شان یہاں ۔ کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضے میں عناں
ایک گلّہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں ۔ نسل آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں

ناتواں غیر سے کوئی کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو ۔ ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیّاد بھی ہو ۔ ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزۂ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں ریم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار ۔ اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے ان کو سروکار ۔ جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی ان کا دربار

گر تونگر ہیں تو دس بیس ہیں ان کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں ان کا بلانے والا ۔ جبر سے کوئی نہیں ان کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا ۔ سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا

اُٹھ کے چل دیں تو نہیں روکنے والا کوئی
اُلٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی اُنکے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب اُنکے پرکھ لیں جوہر
کامیابی نہیں اُن کے لئے اِس سے بڑھ کر
کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحاں کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب اُنھیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
زورِ بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا
اور پھر اُس پہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب اُن کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سندیں چٹھیاں پروانے دکھلاتے در در
چاپلوسی سے دل ایک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در
تا کہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گذری ہو ایک آدھ نہ عرضی اُنکی
سنئے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی
برسوں اس پر بھی گذر جاتے ہیں بے نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی ٹھیراتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا
وعدۂ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ تھا جس رزق کا ہم سے وعدہ
اُس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا
اب فلک پر اُنھیں ملجا نہ زمیں پر ماویٰ
کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

جنکے ہاں ثبت سے تھا قوم کا دیکھا اقبال
یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال

پاتے ہیں اُنکو عنایات سے شاہوں کی نہال
مال و دولت سے اُنھیں رکھتے ہیں مالا مال

ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ وہ ساز تھے آتشہ ایام
سکتے ہیں خدمتِ سلطاں میں بہ اعزاز تمام
بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُنکا مدام
اسلیے ہم نے لیا پیشۂ آبائے کرام

دیکھیں منھ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوا
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو جھکا
اپنی بھی چال گیا بھول بقولِ حکما
وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہے کیا

اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکان
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں اُنھیں کے تھی عنان
اُنسے ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
طبل و نقارہ اُنھیں کا تھا اُنھیں کا تھا نشان

تھے وہی قائدِ لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُن سے ہر اک بات میں لی جاتی تھی
رخصتِ خلوت و جلوت انھیں دی جاتی تھی
جستجو اُن کی بہت بات میں کی جاتی تھی
سب چھپی اور دبی اُن سے کہی جاتی تھی

ڈھونڈ ڈھونڈ انکو بلاتے تھے حکومت کے لیے
خدمت اُن کے لیے تھی اور وہ خدمت کے لیے

اُن کی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر
کاش سوچے اُنھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر
نوکری کے لیے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سمجھیں کہ ہیں کس دام کے پھندے میں اسیر

بھاگوان آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل
خاندانوں کے نجیبوں کی گئی ٹھسک نکل
گردشِ دہر نے دی صورتِ احوال بدل
کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل

گھٹ گئے جو سٹے پندار کے سچے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمت سرکار کریں
چاہیئے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں

آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں
کاشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخر بنی اسرائیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل
ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود رب جلیل
جس کے خود دست عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلہ بانی کے لیے پایا جو ایمائے شعیب
بکریاں آپ نے چرائیں نہ سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے رہے
خدمتیں جن سے نہ عزت کا گلا کرتے رہے
اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے رہے
حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے

اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گذر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر
ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہو نہ حالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا
جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپکی خدمت میں دوتا
خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہنما
اس پہ ہے خیر سے آزادہ روی کا دعویٰ

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

ترکیب بند بر مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ

مرتبہ ۱۸۹۸ء

چھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا

تاکہ رہگیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور اُس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جنکی سدا

گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جنکی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جنسے اُنکے بانیوں کا ہے جلال

شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں باکمال

قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الا الانفعال!!

بانیوں نے تھا بنایا اس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اِسنے بنایا مقبرہ اک شاندار
اور چھوڑا اُس نے اِک ایوانِ عالی یادگار

ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بیشمار

ایک محب اللہ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار

ہو گی عالم میں کہیں سرسبز یہ پھیلی ہرا
یا وہ اگلوں کی امیدیں لائیگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجیون ہے جو بہتا رہے گا یاں وہی
سب اُتر جائینگی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے

قوم کے پیر و جوان سب ہو گئے تھے مردہ دل
دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے

پاؤگے تاریخ میں ہرگز نہ تم اُس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے

غیر قوموں نے بھی کی ہر شرطِ ہمدردی ادا
یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیز و مُغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں
یہ نہال تازہ جسکو اک زمینِ شور میں
خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درمان کا
لا دوا ٹھہرا چکے جسکو اطبّائے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
جنکے ہاتھوں سے سہے ۔ دی قحط سے انکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو تم سے کچھ لینے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آ رہی ہے اس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دُنیا میں تو ہوں اکسیر میں
اور اصلِ کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سُراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُنکی یوں پھلینگی کوششیں
ایک دانہ سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہدو قوم میں ہیں جو کہ عالی خانداں
یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بیکراں
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رتبہ میں بڑھ کر تغلق و تیمور سے
تنگ ہے آج اُنکی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کرے گی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سود الفقد ہے اِس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

میں تمہیں پستی سے پہنچاؤں گا تا اوجِ کمال
میں تمہیں دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال
ہیں بناؤنگا تمہارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سجھاؤنگا زمانہ کی تمہیں سب چال ڈھال
جو کریںگے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہونگا اُنکی نسلوں کو نہال
قوم کے حامی ہیں اور اسلام کا یاور نہیں
چاہو دارالکفر سمجھو مجھ کو یا دارالضلال

میں دکھاؤں گا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمہیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کسقدر
تب یہ سمجھوگے کہ ہم سوتے تھے کب تک بےخبر
یاد ہوگا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب

سلطنت کا معتمد بننا بتاؤں گا تمہیں
بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤنگا تمہیں
وقت جب خواب غفلت سے جگاؤنگا تمہیں
پھر مخاطب خیرامۃ کا بناؤنگا تمہیں

مجھ کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ
روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ اے ریاض علم اے عین الحیات
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیل کارواں
قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا
بجھ جائینگے جہاں میں ہو کہ تجھ جیسے نشاں

ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ
چارسو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
جس طرح دین حنیفی سے مٹے لات و منات
چھوڑ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک با ہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو ہمیشہ آباد رہ اے قوم کی امید گاہ!
دیکھتے ہیں منہ بہ حیرت اور تعجب سے مجھے
اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کود سر بلند
خیر کی امید کچھ ہے عیش اس قوم سے

اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیر خواہ!
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشت و پناہ
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں جز اس کے صبر و سکون
کرد عا اب افلح القوم الذین لا یعلمون

تعصب و انصاف

مرقومہ ۱۸۹۳ء

یاد ہے ہم کو وہ حسن کلام اپنا

جب کہ ہم آپ سمجھتے تھے پیغمبر

اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی آواز پہ ہم مرتے تھے
اپنے انداز کے سودائی تھے
کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
آپ خوبی پہ تھے اپنی مفتوں
جس جزیرے میں ہوئے تھے پیدا
روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
تھے تماشائیِ دشتِ پُرخار
پی کے شور آپ ہی ہوتے تھے بحال
نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا
سیر و انگوزہ کی بو پہ تھے نثار
پرنیاں جانتے تھے کمبل کو
اوپری تھی نہ سنی بات کبھی
ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں
رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی
ایک ہی فصل پہ تھا دارومدار
ایک سے رہتے تھے دن رات سدا
تھی سمجھ بیہودہ جو ان کی یکساں
رکھتے تھے ایک سبق ازبر یاد
واں نہ تھی حاجتِ طرحِ صبیاں
نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا
تھے خدا کے وہی ننانوے نام
الٹی ہر وقت کی نہ تھی عام عطا
تھا نہ دینار و نہ پیسوں سے لگاؤ
دعوے خبر کے تھے سب بے مزہ

اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے
سر دُھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ
خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں
اپنی لے دیکھے وہی تھی دنیا
آگہی تھی نہ بنظم کی تھی
کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار
کہ نہ چکھتا تھا کبھی آبِ زلال
نہ سنی تھی کبھی بلبل کی صدا
کہ نہ سونگھا تھا کبھی مشکِ تتار
کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو
ہم نے دیکھے تھے نہ دن رات کبھی
واں سماں ایک تھا ہر موسم میں
موسم آکر نہ بدلتا تھا کبھی
واں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار
آسماں کو تھی نہ گردش اصلا
عقل تھی خشک و تر ان کی یکساں
تھے عبث منتہی شاگرد و استاد
پیر بالغ تھے نہ بالغ تھے جواں
تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا
اور لینا تھا وہاں نام حرام
ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا
ایک ہی سمت سے تھا رکھتا گھٹا
فیصلے ہوتے تھے ہر بات یک طرفہ

راستی کا تھا نہ غیروں پہ گماں — حق نہ دایہ تھا فریقین میں واں
تھی عناصر میں وہاں آگ نہ باد — خلق سے اک موئی مٹی تھی مراد
حس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا — واں کا حیوان بھی حسّاس نہ تھا
تھی درختوں کو نہ واں نشو و نما — سب چلنے پائی تھی نہ گلشن میں ہوا
گل شگفتہ تھے نہ بوٹے شاداب — واں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب
وہی ہر خو تھی وہاں پوشش تن — جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن
تھے پسندیدہ اسی شان کے گھر — کی تھی حوّا نے جہاں عمر بسر
اسی انداز کے سب چلتے تھے جہاز — کشتیٔ نوح کا تھا جو انداز
تھی اسی نسخہ پہ موقوف شفا — جو تھا بقراط نے ترکیب دیا
ٹوٹ سکتی تھی نہ واں رائے قدیم — تھا اسے لکھ گئے جو اگلے حکیم
واں کسی طرح نہ ممکن تھا تملا — واں نہ پانی تھا مرکّب نہ ہوا
گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں — وہی جولانگہ مردم تھی وہاں
کی تھی جس جا نت دانے منزل — بڑھنے پاتے تھے نہ واں سے محل
علم و فن تھے نئے سارے مردود — غیب کے واں تھے خزانے محدود
نئی لذّت سے تھی ہر طبع نفور — نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور
سب کی لکڑی پہ لگی تھیں آنکھیں — کچھ نہ آگے نظر آتا تھا انھیں
پیچھے گر دیکھتے تھے ریگستاں — سوجھتا تھا انھیں وہ آبِ رواں
آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب — وہ سراسر نظر آتا تھا سراب
روشنی رکھتی تھی اُن سے اَن بَن — جیسے خفّاش سے سورج کی کرن
تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر — دل پہ ہر نقش تھا پتھّر کی لکیر
رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں — برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں
آگ واں بجھ کے سلگتی کم تھی — اور سلگتی تھی تو لگتی کم تھی
شان میں واں نہ سُنا تھا حق کی — كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْن - کبھی
وضع میں تھا نہ تغیّر خو میں — جلوے دل سنگ تھا ہر بار میں
سمجھا جاتا تھا وہ دل سے فرماں — مُہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی واں

بات مشکل تھی دلوں سے جانی
نقش تھے دل کے خطِ پیشانی

غیر کی بات خطا اپنی صواب
سب سوالوں کا تھا واں ایک جواب

چڑھ کے گر بحث کو جاتے تھے کہیں
فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقین

تھی وہاں جوتی کی ہی فہمائش
منہ سے جواب تھے کلچائے سخن

اُنہی عالم میں پلتے تھے ہم بھی
اُنہی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہم ہیں
ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر

حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احساں
اُن سے محروم ہے نوعِ انساں

سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل
اب نہیں کوئی ترقی کا محل

اپنے حصے میں ہے ساری تہذیب
خانہ پرورد ہے ہماری تہذیب

جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال
ترزہ گیری کی نہیں اُس میں مجال

ہے بری عیب سے خوراک اپنی
پاک دھبے سے ہے پوشاک اپنی

رسم اپنی نہیں بیجا کوئی
طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی

آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق
ہم سے سیکھے کوئی حسنِ اخلاق

سب سے عالی ہیں خیالات اپنے
سب مسلّم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر
واں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال
تھا تصور بھی خلاف اُنکے محال

جس کو اکبار بُرا جان لیا
عمر بھر پھر اُسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل
وہی دعوے تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی
ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی
رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے
اور اُلجھ جاتے تھے سُلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ مان لیا
جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان
جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذاتِ باری کو نہیں جیسے زوال
رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن
حسنِ ظن تھا یہ سمجھ برا ہوئی
تھے لڑکپن کے خیالات تمام
دیکھتے سنتے تھے جو اسکے خلاف
تھی نئی بات سے یا نیک نفرت
بو نئی شے کی جو پا لیتے تھے
عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبول
فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی
جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا
جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی
تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس
تھی زباں اپنی زبانِ پاکاں
جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش
کان میں پڑتی تھی جب بات نئی
خرقِ عادت بھی اگر دیکھتے تھے
نئی آواز سے چونک اٹھتے تھے
ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق
اپنی حجت کو قوی جانتے تھے
تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق
خصم سے بحث اگر کرتے تھے
کاٹ دی خصم نے جو بات کہی
خصم کی بات کو کرنا تسلیم
حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا
دشمنی کے یہی معنے تھے کہ جو
ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور

ہم نہ ہٹتے تھے تحکم سے لیکن
غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی
دل میں اترے ہوئے شکلِ الہام
نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف
ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت
ناک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے
تھی وہ سرکار میں اپنی معزول
ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی
کوئی حرف اسمیں بجز الہام نہ تھا
تھا وہی فلسفہ اور علم وہی
اور سب سوختنی ہے وسواس
ماسوا اہلِ جہنم کی زباں
تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش
غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی
آنکھ اٹھا کر نہ ادھر دیکھتے تھے
اور اسی شکل پہ پھونک اٹھتے تھے
ہم کو تھا زہر بھی اپنا تریاق
بات پھر کچھ کہے وہی مانتے تھے
جو پڑھا تھا وہی اور بر تھا سبق
حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے
بحث و تکرار کی غایت تھی یہی
اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم
نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا
ہم کہیں بات وہ تسلیم ہو
دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور

گر خلاف اپنے کوئی بول اٹھا
اس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا

ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں
کوئی مردود تھا اور کوئی لعیں

غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر
باغِ فردوس تھا اپنی جاگیر

اور تھے حرص و ہوا کے بندے
ہم تھے مخصوص خدا کے بندے

بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر
وقف تھی رحمتِ باری ہم پر

نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ
اور مغفور تھے سب اپنے گناہ

عین تحقیق تھی اپنی تقلید
شرک اپنا تھا سراسر توحید

تھا ہری کا نہ سمرن کا کچھ ڈر
پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر

سب ذُرّیات تھے ہمارے ملکوت
تھے ہمیں آدم و حوّا کے سپوت

حوضِ کوثر پہ تھا قبضہ اپنا
سلسبیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا

اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر
اپنے ارذلوں کو بھی کہتے تھے بصیر

رہ کے جنت میں تھے ہم ساجی
غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی

تھے قضا اور قدر کے مالک
ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیت میں رہے جب تک چور
کھنچتے یوں ہی رہے آپ کو دور

نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند
تھے ہم اک ٹھکیہ تاریک میں بند

دی جب انصاف نے دستک آکر
حجرۂ تنگ سے نکلے باہر

جلوۂ علم و یقیں کو دیکھا
آسماں اور زمیں کو دیکھا

رخِ حقیقت نے دکھایا ہر سو
چاند سا نظر آیا ہر سو

کی تعصب سے جو ہیں قطعِ نظر
ہوا اک اور ہی عالم میں گذر

علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب
دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب

جھوٹ سے سچ نظر آتا تھا الگ
دودھ پانی نظر آتا تھا الگ

نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے
قدرداں غیر تھے اغیاروں کے

دور بیگانہ نہ تھا خویش سے واں
خویش اوّل تھا نہ درویش سے واں

عیب سب کہتے تھے اپنے خوش خوش
دوغ واں اپنی بھی ہوتی تھی ترش

تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں
حق کی پہچان جز اخلاص نہ تھی
ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر
صُلحا لمپ جلاتے تھے وہاں
نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر
بھائی انساں تھے سب انسانوں کے
ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر
اشعری۔ معتزلی۔ لامذہب
اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار
ہٹ سے باز آتے نہ تھے جو زنہار
پاؤں واں جنکے پھسل جاتے تھے
ٹیڑھ واں دل کی نکل سکتی تھی
دیکھ حجّت کو قوی پیر و جواں
حق کی آواز جہاں آتی تھی
پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم
غور ہر بات میں کی جاتی تھی
تھی وہاں عقل معطّل نہ حواس
آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے
سُونگھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز
سُنتے تھے بات نرالی جب ہم
کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے
پھول ہر خار سے چُن لیتے تھے
عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا
عیب جس رسم میں پا لیتے تھے
اُجلی پوشاک جو مل جاتی تھی

گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو واں
حق کی پوشش کوئی واں خاص نہ تھی
کبھی ایماں کا نہ ہوتا تھا ضرر
اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں
آپ کو نوعِ بشر سے بہتر
سمجھتے ہندو نہ تھے مسلمانوں کے
ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر
ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب
کفر واں بس یہی پایا تھا قرار
تھے وہ بوجہل کی اُمّت میں شمار
خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے
رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی
بند ہو جاتے تھے حجّوں سے وہاں
مت کروڑوں کی بدل جاتی تھی
جُز نبی کوئی نہ تھا واں معصوم
مشورت عقل سے لی جاتی تھی
سب قوٰی کام میں تھے بے وسواس
کان سُننے سے نہ باز آتے تھے
جانچتی تھی اُسے واں چشمِ تمیز
کستے تھے اُس کو محک پر پیہم
کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے
بھوگ بچوں کے بھی سُن لیتے تھے
ایک اللہ کی عبادت کے سوا
دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے
میلے کپڑوں سے شرم آتی تھی

ٹیکہ لی جس نے کہ شمعِ کا فور
ہاتھ آجاتا تھا جب مال نیا
گر کے ہو جاتے تھے گھر جنکے کھنڈر
نت نئی ریت نکلتی تھی وہاں
قافلے چلتے تھے دن رات تمام
قبلہ تھا علمِ الٰہی اُن کا
تشنۂ علم تھے واں سب ایسے
نہ مجسطی پہ قناعت تھی انھیں
عرشِ تحقیق تھا استھان انکا
دیکھا جب عالمِ انصاف کا رنگ
خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشیں
عیب سب اپنے نظر آنے لگے
ہوئی وہ بزمِ خیالی برہم
جسکو سمجھے تھے غلط ہم دریا
تھا کیا جسکو یقیں چشمۂ آب
قصر و ایواں کا گماں تھا جن پر
تھا سبک دانۂ خردل سے سوا
جب ہر اک قوم کا ساماں دیکھا
نکلے سب ہیچ خیالات اپنے
آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا
چوٹیاں آئیں جو پربت کی نظر
ٹھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں
پردہ گولر سے جو باہر آیا
پردہ جب اٹھ رہا آنکھوں پہ پڑا
مُنہ جب آئینہ میں دیکھا جاکر

تھا وہ چیکٹ بھری ویوٹ سے نفور
پھینک سب دیتے تھے عطار دوا
گھر کی واجب تھی مرمّت اُن پر
رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں
کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام
تھا سفر نامتناہی اُن کا
پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے
نہ اشارات کفایت تھی انھیں
مصر تیرتھ تھا نہ یونان اُن کا
ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ
اُن پہ ہم کرنے لگے خود نفریں
آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے
تھا طلسمات کا گویا عالم
اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا
وہ نمائش تھی حقیقت میں سراب
نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر
کوہ الوند جسے سمجھا تھا
ہمنے واں آپ کو عریاں دیکھا
ٹھیرے سب پوچ کمالات اپنے
نکلا جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا
پھر اُٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر
تھا وہی اُسکے تصوّر میں جہاں
اپنی ہستی سے بہت شرمایا
حسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا
ہم کو اِک شکلِ مہیب آئی نظر

جو انھیں عزت سے دگرگوں احوال
دنگ رہ گئے دیکھ کے اپنے خط و خال

دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب
چھپ گئے غیر نظر سے جو تھے عیوب

یک قلم ہوگئی نخوت سے کافور
ٹل گیا رشک ہمارا وہ غرور

ناخنِ فکر سے کی دل میں خراش
عیب جویوں کی لگے کرنے تلاش

جن کے طعنوں کی تھی ہم پہ بوچھار
اُن کے ہم دل سے ہوئے شکر گزار

ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز
دل سے شیریں ہیں جن کے دل دوز

ان کا غصہ ہے سراسر رحمت
زہر میں ان کے بھرا ہے امرت

انھیں بندوں سے ہیں ایماں پہنچے
یہی کافر ہیں مسلماں سچے

قاسم الفضل کا جب ہو گا نشاں
مانے جائیں گے انھیں کے احساں

بے خبر کب سے پڑے سوتے تھے
ان کی آوازے سے ہم چونک اٹھے

ان کے طعنوں نے جگایا ہم کو
زہر نے ان کے جلایا ہم کو

یاد آئے اغیار کے عیب اور ہنر
آشکارا ہوئے ایک ایک ہم پہ

حق کے جلوے نظر آئے ہر جا
اہلِ باطل میں بھی اک پائی ادا

ملا ہر راہ میں باطل کا سراغ
اہلِ حق کو بھی نہ پایا بے داغ

اہلِ تقویٰ کی ریائیں دیکھیں
اہلِ حکمت کی خطائیں دیکھیں

زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں
خوبیاں پائیں گنہگاروں میں

کلب کی پاک سرشتی دیکھی
پائے طاؤس کی زشتی دیکھی

عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے
خار دیکھے تو گُل بھی دیکھے

ہنر اغیار میں پائے اکثر
عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفتر علم کو ابتر پایا
علم کو جہل سے بدتر پایا

مجلسیں غیبت و بہتان سے پُر
صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر

منقطع بھائی کی بھائی سے امید
اپنا بیگانہ لہو سب کے سفید

پاک بندوں کی زباں پر دشنام
نہ ثقات ان سے بری اور نہ کرام

فقرا مکر و ریا کے پتلے
اغنیا حرص و ہوا کے پتلے

شیخ عیار تو زاہد پُرفن
مولوی عقل کے سارے دشمن

پیاز کی طرح زرے پوست ہی پوست
قوم کے دوست مگر ناداں دوست

حالت القصہ جو دیکھی اپنی
کوئی کَل پائی نہ سیدھی اپنی

سارے آوے کو ٹٹولا جاکر
کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر

پایا اک دین کا محکم قانون
وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون

دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالت زار
جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار

گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل
آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گذرے جو کسیکو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

کلمۃ الحق

۱۸۸۳ء

مرتبہ یعسوب

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو؟
اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو؟

شے کوئی تجھ سے کڑوی نہ ہوگی
حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی

ہے ناگواری پہچان تیری
الحق مُرّ ہے شان تیری

یاروں کو کرتی اغیار تو ہے
چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے

رشتے ہزاروں تو نے تڑائے
باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے

سقراط کو زہر تو نے دلایا
شبیر کو قتل تو نے کرایا

بے جرم مسموم تو نے کرائے
سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے

رخنے عرب میں تو نے نکالے
بدر و احد میں رن تو نے ڈالے

موسیٰ کو مدین تو نے بھگایا
احمد سے مکہ تو نے چھڑایا

تو نے صلے میں بخشے ہیں اکثر
سولی کے اور رنگ کانٹوں کے افسر

مظلوم کتنے تیرے سہارے
ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے

خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے
رنگین لہو سے ہیں ہاتھ تیرے

تیرے جلو میں رسوائیاں ہیں
[illegible] تیری تنہائیاں ہیں

[illegible]
[illegible]

تو آشتی کی رہتی ہے دشمن
تو مصلحت سے رکھتی ہے اَن بن
قطع و برش سے ہے تاثیر تیری
رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر
دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر
پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اِک زلزلے میں
حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل
ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
اُٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا
ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
عبرانیوں کا اُڑتا ہے پرچم
صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم
ہوتے ہیں اغیار احمد کے ساتھی
بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی اے تیغِ براں!
تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے
بت مصلحت پر شب خوں ہیں تیرے
گُن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں
وہ تیری دُھن میں آخر ہوئے ہیں
اُمڈا جہاں سے سیلاب تیرا
پھر واں نہ کشتی ٹھہری نہ بیڑا
اٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں
ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت اُن کو سہارے
کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم اُن کی مشکل کرتا ہے آساں
دل اُن سے لاکھوں کرتا ہے پیاں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں
ہے روزِ روشن اُن کی نظر میں
زور اُن پہ تیرے ہیں آشکارا
مٹھی میں اُن کی عالم ہے سارا
عظمت جہاں ہے تیری سمائی
پربت وہاں ہے نظروں میں رائی
شاہوں سے گردن جھکتی نہیں واں
طوفاں میں کشتی رکتی نہیں واں

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں
منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں
تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے
ہر دل میں چُبھتی تیری ادا ہے
تو نے جہاں دی آواز جا کر
لاکھوں سر اُٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری
بڑھتی ہے کم کم آواز تیری

پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں | جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے | ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
لپٹے ہیں ہنسے چھوڑے یار آشنا سب | پکڑ دُم پہ دیکھی تیری ادا جب
ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ | ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا
آہستہ سے تیری کرتے ہیں جو رم | ہیں گدگداتے دل اُن کے ہر دم
جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دُوری | ضرب اُنپہ تیری پڑتی ہے پوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر | گرتا ہے آخر کچھ دُور جا کر
تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بھڑکتے | پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے
گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں | پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں
بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ | جائینگے بچکر تجھ سے کہاں وہ
دل دوز ہیں سب تیری ادائیں | کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں
زہر ہلاہل برسوں پییں جب | بیمار تیرے پائیں شفا تب
دیتی ہے اوّل تو زخم کاری | مرہم کی آخر آتی ہے باری
کل ہے مسرّت ہے آج غم تو | دیتی ہے اِمرت کہتی ہے سَم تو
ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت | تو جھوٹ پر واں کرتی ہے لعنت
جس جا تعصّب ہے عینِ ایماں | انصاف سا غل کرتی ہے تو واں
رسمِ سلف پر مرتے جہاں ہیں | رسموں پہ تیرے حملے وہاں ہیں
تقلید جس جا ہے طوقِ گردن | تقلیدیوں سے ہے تیری اَن بن
کرتی ہے واں تو واعظ کو رسوا | ہے وحی منزل قول اس کا جس جا
واں مفتیوں پر ہیں تیرے دھاوے | ہیں مثلِ قرآں جس جا فتاوے
پجتی ہیں قبریں جب اولیا کی | تو ہے دُہائی دیتی خدا کی
جس مُلک میں ہے جاری غلامی | ہوتی ہے تو واں ہر دل کی حامی
غل بھیڑیوں کا پڑتا جہاں ہے | تو بکریوں کی واں پاسباں ہے
زہر اُس عسل کو تو ہے بتاتی | جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
ہاں نیش میں تو کہتی شفا ہے | نیشِ اجل کا جس میں مزا ہے

ہندی میں تیری تازی کی بو ہے
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا
ہر سو جہاں ہے طغیانِ باراں
سائیوں کا خطرہ پاتی یہاں ہے
طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر
ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے
بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی
پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو
جب دیکھتی ہے تو میں بگڑتی
کرتی ہے ظاہر اُن کی خطائیں
گہہ منعموں پر کرتی ہے برستی
دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو
للکارتی ہے تو کاہلوں کو
جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل
بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت
ہاں نام تیرا جس نے لیا ہے
احکام تیرے ٹلتے رہے ہیں
پہنچایا جس نے پیغام تیرا
کتنوں نے جانا ساحر نبیؐ کو
طوفاں اُٹھائے اہلِ ہدیٰ پر
نعماں کو دی بدعت سے نسبت
مالک پہ لائے آفت جفا جو
کی ابنِ حنبل کی یوں مدارا
نکلے آئمہؒ اکثر وطن سے
کتنوں کی باندھیں ذلّت سے مشکیں

مشرق میں ہا کہتی مغرب کی تو ہے
تو چھیڑتی ہے ذاں نوکرِ دنیا
شورِ العطش کا کرتی ہے تو واں
اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے
بہروں میں چرچا کرتی ہے جاکر
کہتی ہے جاکر تو کاروں سے
اُس دُھن خزاں سے تو ہے ڈراتی
آگ آگ کا غل کرتی ہے واں تو
ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی
دیتی ہے اُن کو پیدہ راہیں
گہہ جھاڑتی ہے غلس کی مستی
کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو
پھٹکارتی ہے تو جاہلوں کو
ترشی ہے تیری طینت میں داخل
لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت
عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں
جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
کتنوں نے مانا کافر علیؓ کو
بہتان باندھے زین العبا پر
کی شافعی پر برپا قیامت
یوں تک کہ اکثر امفصل ہے بازو
چہرہ پہ تقو کا کوڑوں سے مارا
خالی ہوا رتبے ابنِ حسن سے
کتنوں کے رسّی ڈالی گلے میں

مرتبہ بتایا اہلِ یقیں کو	ٹھہرایا زندیق اربابِ دیں کو
اے کلمۂ حق تیری بدولت	مردوں پہ گزری کیا کیا مصیبت
ٹھہرے جہاں میں بیگانے سب سے	ٹھہرے ہوئے وہ دیوانے جب سے
دنیا نے ان پر گو ظلم توڑا	دامن انھوں نے تیرا نہ چھوڑا
ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری	سننے میں کڑوی کہنے میں میٹھی
کانوں کو تو ہے گو ناگوارا	مونھ سے نکلنا تیرا ہے پیارا
جو حرفِ حق سے سب بھاگے بڑھ کر	حق ان کو لایا گردن پکڑ کر
حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں	ہٹ حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں
ہوتا نہ ہرگز جگ میں اجالا	حق کا نہ ہوتا گر بول بالا
اے راست گوئی اے ابرِ رحمت	ہے اس چمن میں سب تیری برکت
گر تو نہ ہوتی یاں سایہ افگن	برباد ہوتا کب کا یہ گلشن
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے	آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
باغِ جہاں کو چھانا ہے تو نے	اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے
تو بیکسوں کی یاور رہی ہے	تو گمرہوں کی رہبر رہی ہے
جن بستیوں میں تو چھپائی	کھیتی انھیں کی یاں لہلہائی
بنما ہی جس جا تو نے زباں کی	نکہت سے منزل آکر واں کی
رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا	یونان میں ہوتا ہر سو اندھیرا
گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی	مصری نہ ہوتے عالم میں نامی
بطحا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا	سایہ اگر واں تیرا نہ پڑتا
جنبش نہ ہوتی گر تیرے لب کو	قبلہ نہ کرتے خاکِ عرب کو
ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت	سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
مشرق میں جب تھی تیری حکومت	چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت
جب دور تیرا مغرب میں آیا	مغرب کو تو نے مشرق بنایا

کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو　　مہکی ہے اکثر یاں تیری خوشبو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے　　پر تیری دارو صحت فزا ہے
ہر بول تیرا جوشِ غضب میں　　ہے حق کی آواز زاد طلب میں
گو علم کی تو ہے زندگانی　　پر جہل تیرا دشمن ہے جانی
جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں　　نادان ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر　　اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں　　قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں

اے کلمۂ حق اے سرِّ یزداں　　جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے　　دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
عالم ہو تیرا جب ناشناسا　　حالی کو رکھیو اپنا شناسا

مناظرۂ واعظ و شاعر

مرتبہ ۱۸۸۳ع

کل جو میں نے بسترِ راحت پہ جا کر دم لیا　　دل کو اک وقفہ غمِ دنیا سے فرصت کا ملا
کی تصوّر نے وہیں اک بزمِ رنگیں آشکار　　مجلسِ اربابِ معنیٰ جسکو کہنا ہے بجا
گرم تھا دواں ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر　　سرخرو گلگونۂ حجّت سے تھا ہر مدّعا
شمعِ استدلال سے روشن تھا فانوسِ بیاں　　چار سو ہنگامہ آرا تھی لِم و لا کی صدا
تھے فراہم جسقدر اُس بزم میں اہلِ کمال　　تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو ادعا
مولوی کہتے تھے غیر از علمِ دیں سب ہیچ ہے　　فلسفی کہتا تھا ہر فن کی ہے حکمت پر بنا
صوفیِ صافی اِدھر کچھ کہہ رہا تھا زیرِ لب　　واعظِ معجب اُدھر کچھ بک رہا تھا برملا
خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم　　ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا
شاعرِ مغرور بھی اک سمت خنداں زیرِ لب　　سُن رہا تھا لافِ اہلِ فضل اور خاموش تھا

جاکے پہنچا جب وہاں تک دورِ صہبائے سخن
دفعتہً مجلس سے اُٹھا اور ہوا یوں خودستا

دعویِ فضل و بلاغت اُسکو زیبا ہے یہاں
جو کوئی تلمیذِ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرّف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال
کچھ نہیں معلوم جس کی ابتدا اور انتہا

رہروی میں ہم کو چشم و گوش پر تکیہ نہیں
ہیں ہمارے بال و پر اندیشہ و فکرِ رسا

صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے
پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائیں ہم
خاطرِ دشمن میں اُسکا نقشِ اُلفت ویں بیٹھا

خاک کو چرخِ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم
ماند ہو دیپے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا

وصفِ خوباں ہم سے گر سن پائے سالک ایکبار
ہو نہ ہرگز بچۂ عشقِ مجازی سے رہا

گر کریں ہم گلرخوں کی بیوفائی کا بیاں
ہو نہ بلبل پھر چمن میں رُوئے گل پر مبتلا

کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق
قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا

ہیں ہماری مدح کے پیر و جواں اُمیدوار
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا

گرمیِ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے
بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے
ہم جہاں چلتے ہیں واں مسدود ہو راہِ خطا

کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں خلل
جھوٹ سے ہوتی ہے یاں رونقِ عبارت کو سوا

دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ
جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خودستائی جو کسیکو جز خدا پھبتی نہیں
آکے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یاں رنگِ قبول
گالیاں دے دیکے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

جب یہ بالاخوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں
مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیاں سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور ثنائے ادعا

اُمّتِ برحق کے عالم جو ہیں از روئے خبر
وارثِ علمِ نبیؐ و قائم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا ان کا بھی تجھکو اے سفیہ
بر سرِ مجلس ہے تو جو اس طرح بکارتا

گو نہیں گنتی میں اہلِ علم کی یہ خاکسار
پر سُنے جاتے نہیں یہ تیرے دعوے نارسا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل و مسخریّت کجا! بزمِ خردمنداں کجا

علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں دفتر کھلے
کسنے دی ہے تجھکو واں اس ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآں میں اُسے
شان میں بالعلم یُزدیٰ[1] جسکی آیاتِ صریح
چاہیے انفاسِ اہل الذکر[2] سے ہو مستفید
خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی
ہے یہی باعث کہ بک اُٹھتے ہو تم بے اختیار
اس زبانِ یاوہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو
بے حقیقت ہیں ترے سارے خیالاتِ بلند
ہے جہاں خامہ کو تیرے خدمتِ مشاطگی
بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر
شش جہت میں گو کرے برپا قیامت سات بار
تیغِ چوبیں کی ہو گر شرح بیاں کرنی تجھے
ہو جہاں لکھنی تجھے اسپ لگی کی جست و خیز
تو ہوا مدح و ثنا میں جس کی سرگرمِ غلو
پرلے درجہ کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو
بہمن و جمشید یاں ہیں ایسے کس گنتی میں ہیں
لکھے تو اک گربۂ مسکیں کو سمارا منزلت
فی المثل گر ہو تمھاری مدح اک برگِ گیاہ
بادنجانوں سے سوا ہو تجھ کو منکر تہنیت
ہند میں خلل ڈالدے تو نالہ ہائے شوق سے
شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی
مذہبِ شاعر میں جس کا دین باطل نام ہے
سر بسر اقوال تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ
شان میں آیا ہے جنکی قول ما لا یفعلون[3]

کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلیں کہتا خدا
فخر ہے اس شعر پہ تجھ کو یہ اے شر الورٰی
ہو نہ جسکو علمِ سنت اور کتاب اللہ کا
بھاگتے ہو جیسے شیطاں ہے اذاں سے بھاگتا
جو تمھارے منہ میں آتا ہے سزا اور نا سزا
جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا
ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا
صورت اک پتھر کی ہے واں حورِ جنت سے سوا
رات سے تاریک تر ہے ہجرِ صنم میں دن ترا
یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا
ہے تنزل گر اُسے ٹھہرائے تو تیغِ قضا
اک ترارے میں اُسے پہنچائے تو فوق السما
اور الٹا خوبیوں پر اُنکی پردہ پڑ گیا
جم کو اُسکے در کا دربان اور بہمن کو گدا
ننگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا
اور کہے اک لعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا
اُسمیں ثابت کر سکے چھوڑے تو صفاتِ کبریا
خواب میں سن پائے تو گر کوسِ شاہی کی صدا
چمن میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نو خیز کا
کان میں پڑجائے تیرے ایک جھوٹی واہ وا
راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا
ہے زباں گوہر افشاں پر تم اور دل ہے برا
چشم بد دور آپ کے ہادی ہیں وہ ادبا

[1] عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ الشعر یُزدی بالعلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو ۱۲ [2] اہل الذکر سے مراد علما دین ہیں ۱۲
[3] قرآن شریف میں شعرائے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انہم یقولون ما لا یفعلون یعنی وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۱۲

اپنے دروازے سے بہت کم پاؤ گے آفاق میں
جن پہ صبح و شام تو نے دی ہو جا کر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابعِ فرمانِ حرص
کام تجھ کو کچھ نہیں جز مدح و قدحِ اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جن کی کرتا ہے غلو
گالیاں دیتا ہے تو اکثر انھیں کو برملا

جب ترے دروازے سے پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دیکر دعا

ہر دعا میں ہے مقرر شرط اِن اعطیتنی
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا

پر وہ عرضِ ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

زہر دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا اُگل
اور نہ کوئی تیر باقی اس کے ترکش میں رہا

تھک کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیرے دہن میں یا سنانِ جانگزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لیے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ ہم خود بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں شاہ و گدا

کیسے کیسے پھرتے ہیں بازارِ جہاں میں سب تباہ
اژدہے ہیں ٹوپی کی لاکھوں اور ہزاروں برملا

حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خوں
شاعروں سے تیرے چہرے کی رونق ہو گئی ہوا

غیر سے ان انگلیوں سے ڈالیں بار غلطیں
جو کفر فتویٰ کر کے دیکھے ہیں بہت گندم نما

ضبط ہے اک تم کو کہہ دوں گر بُرا مانو نہ تم
آپ ہیں بیمار اوروں کو دیتے ہو دوا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپ کو اچھوں کی کیا پہچان ہے
جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے برا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
منہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترکِ اولیٰ پر نصیحت جس قدر کرتا ہے تو
قتلِ انساں پہ نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تری سرکار میں جنت نہیں
چوک جس سے ہو گئی کچھ پھر نہیں اس کو شفا

عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہو صریح
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہو تجھ پر خفا

گر خدا بھی واعظوں جیسا ہوتا سخت گیر
آسماں کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گر ہم ہارے ہوئے ایک انجمن سمجھے ہو تم
لوگ ہوں برباد اور ان کے منہ تم رہنا

چاہئے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی نہ ہو
ہیں طبیب چاہئے جس طرح امراض کی دوا

آپ ان باتوں کو اک بہتان سمجھیں گے مگر
جو کہوں میں اُسکو باور کر نہیں اسمیں خلاف
یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم سب جسکے خود ہیں مُعترف
دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو
یاد ہے وہ تیرا کھانا دیکھ کر کھانے چُننے
مدرسے کوشش سے تیرے گو بنے ہیں شہر شہر
پر یہ حیرت ہے کہ ان کا ہوئیں جو لاگت لگی
مجرموں کے جُرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک
ہے یقیں اتنا ہی ہوگا دل میں اپنے تو حقیر
کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو
لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب
کبھی جہنم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو
گو سجا ممبر پہ ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ
ہاتھ میں ہے تیرے گویا نار و جنت کی کلید
نیکیاں برباد ہیں ساری تری خدمت بغیر
اپنی اک اُمّت الگ سب سے بنانیکے لئے
تیرے گھر میں مسلمانوں میں ہر جبتک نزاع
جسطرح جھگڑو نکے خواہاں ہیں علی الدین وکیل
چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
شاعروں کو بس اسی مونہ سے گدا کہتا ہے تو
کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
شاعری پر ہے بُرا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
طعن کچھ بیجا نہیں لکھتے ہیں پر اک عذر ہم

سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا
شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا
جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدس کے چھپا
ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تونے ادا
دین[۵] قایم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خدا
مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا
اس سے دُو چند آپ کے دیوانخانے میں لگا
نیکیاں تیری ہیں جیسی پُر خطر روزِ جزا
جسقدر رانا ہے زید و عَمرو نے تجھ کو بُرا
ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا
سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری ہجو ادا
گاہ حُوروں پہ لبھا کر مانگتا ہے رونما
آسماں سے تیرے لئے اُترے ہیں ابھی حکمِ خدا
جس نے پوجا[۶] تجھکو وہ فردوس میں داخل ہوا
فرقۂ ناجی ہے بس اِک پوجنے والا ترا
تفرقے ڈالے ہیں دینِ حق میں تو نے جا بجا
اختلافِ اُمّت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا
مانگتا ہے تو یونہیں باہم خصومت کی دُعا
کشتیٔ اسلام کا پھر کیوں نہو تو ناخدا
اے اسیرِ دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا
ورنہ ہم بھی یوں تو ہیں اُٹھتے ہیں لعضوں کو گدھا
حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کرتے ہیں مدحِ اغنیا
غور کرنا عذر پر ہے شیوۂ اہلِ صفا

---

[۵] یعنی علما کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا میں دیندار لوگ ابھی موجود ہیں اور مذہب قایم ہے ۱۲ [۶] پوجنا محاورہ میں نذر کرنے کو کہتے ہیں ۱۲

+ + + + + + + + + + + + + +

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشے میں ہم ہوں یا کہ تم
کرتے ہیں ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ میں دیتے ہو آخر داستاں کی چاٹ تم
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا

مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
جب تن ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا

پھول پھل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
ایک طرہ انھیں آزادی کا دیتے ہیں لگا

سوسن و نسرین گل میں جب وفا پاتے نہیں
وصفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا

پر ہم اس پردے میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
لکھیں اعمیٰ کو بصیر اور راہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیروانِ عہد انھیں
ایک مسخرے کا حق ہوتا نہیں جسنے ادا

حاتمِ وقت انکو ٹھہراتے ہیں جنکا بذل و جود
اسلیے ہے تاکہ حاصل ظالموں کی ہو رضا

زیرکی میں اُن کو کہتے ہیں ارسطوئے زماں
ہمنشیں احمق بناتے ہیں جنھیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شد و مد سے اُنکو ہم بیدار مغز
جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
اُن کی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

اُنھیں ثابت کرتے ہیں ہمدردِ نوعِ بشر
آپ کو کہتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماورا

حامیٔ اسلام دیتے ہیں خطاب اُنکو کہ جو
کرتے ہیں رسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق اُن کو کہتے ہیں جنھیں اے واعظو!
تم کسی کے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یاں اکثر اسی انداز سے
شیخ ہو ممدوح یا واعظ، غنی ہو یا گدا

قطبِ دوراں اُن ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم
آپ کو بھی جو سکھائیں مدتوں مکر و دغا

اُن فسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالذین ہاں
بیٹھکر منبر پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اڑا

آپ جھٹ اُسکو کہیں جو مدح وہ بے مغز ہے
نام اُن کا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب
اور لگے سب مسکرانے دیکھکر یہ ماجرا

دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ میں
چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت میں رسوا ہوا

پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے
ہنسکے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا

ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے برا

کہیے فکرِ شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
آپ نے دیواں مرتب کیوں نہیں اب تک کیا

اپنی ستایش نہیں زیبا مگر
حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر

منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنموں
کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر میں نہوں

مجھ سے ہی اجسام کو ہے التیام
مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام

میری بدولت ہے کھچا اور تنا
جال یہ سب ثابت و سیّار کا

میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں
زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا

ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصارِ حصیں
ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں

میں ہوں اگر مورچوں کے درمیاں
اُن کا سلیماں کو کروں میہماں

مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب
کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب

قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل
میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل

مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ
میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اجاڑ

ملک ہیں آباد مری ذات سے
یُمن ہے اک میری کرامات سے

میں نے ہے جس قوم کو بخشا وقار
قوم وہی قوم ہے۔ باقی گہار

بخت عدو مال ہے اُس قوم کا
بندہ خود اقبال ہے اُس قوم کا

نرغہ میں گھر جائے گر ایک اُنکا فرد
لاکھ پہ بھاری ہے بوقتِ نبرد

ڈال نہیں سکتا کوئی اسپہ ہاتھ
سوچتی ہے قوم تمام اُسکے ساتھ

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل
واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

میرے تصرّف میں ہے جو سرزمیں
واں کوئی بے کس کوئی تنہا نہیں

ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار
ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار

ایک کو گر دیکھتے ہیں مُضطرب
پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب

آگ اگر گھر میں لگی ایک کے
قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے

کُل کی مصیبت میں ہیں کُل مبتلا
ایک پر آتی نہیں کوئی بلا

ضعف دباتا نہیں اُن کو کبھی
رکھتے ہیں کمزور بھی واں دل قوی

خم نہیں افلاس کا مفلس کو واں
ایک کا افلاس ہے سب پر گراں

ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار
ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

سنتی ہے اے خانہ برانداز پھوٹ!
مجھ میں نہیں عیب کچھ اسکے سوا
ذات ہے میری مہِ کامل۔ مگر
ہوتی اگر تیری نہ یاں ہست و بود
چشمۂ رحمت ہے جماعت ولے
چار جو مل بیٹھتے ہیں یاں کبھی
صلح کا رہتی ہے بُرا تکتی تو
قطع و بُرش تیری جبلّی ہے خو
بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو
ڈالتی ہے اُن میں نزاع اور خلاف
قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا
مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ
سُوجھتی ملّت کی نہیں کوئی بات
رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں
زید کا ہے عمروؔ سے ظاہر ملاپ
ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے
دیکھیئے جسکو وہ ہے اِس تاک میں
قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر
عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں

سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ
ساتھ مرے تیرا ہے کھٹکا لگا
دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر
میرا مبارک تھا جہاں میں وجود
کرتی ہے تو آکے مکدّر اُسے
سب نظرِ بد سے ہیں لرزاں تری
دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو
گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو
یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو
دو کے نہیں چھوڑتی دل اُنمیں صاف
چُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا
اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ
یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات
جس سے جسے دیکھیے ہے بدگماں
دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے پاپ
دوسرا خواہاں کہ زک اُسکو ملے
یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں
جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر
خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھوٹ نے ایکے سے سنا جب یہ لاف
بولی کہ تقصیر ہو میری معاف
نام ہے بدنام مقرّر مرا
ذکر بُرائی سے ہے گھر گھر مرا
پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر
میں ہوں وہی جو کہ ہے تو سر بسر

عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں
خلق کے ہم دونوں گنہگار ہیں
اپنوں سے تو غیروں کو کرتا ہے زیر
چین کروں تا سپید نہ تیری اگر
کام نہیں سارے ادھورے ترے
سیرے ہمائی چلتی ہے گاڑی تری
میں جو نہ ایران کو دلاتی شکست
ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال
کام نہ آتا کوئی تیمرا ہنر
ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل
غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ
ہند میں میں گل نہ کھلاتی اگر
غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو
لودھیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم
ہند میں کرتی نہ اگر میں وطن
یہ تو لیا تو نے سن اے اتفاق!
تجھ سے سوا مجھ میں ہے۔ سچ اسکو جان
تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار
اس کو نہ پیش آئے کبھی روز بد
حصے میں اسکے رہے عزّ و شرف
آئے نہ اقبال کو اس کے زوال
تیرا تو یہ خاصہ ٹھیرا۔ مگر
آج کسیکو جو چڑھاتا ہے وہ
جزر ہے دریا میں پس از مد ضرور
ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور

خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں
دوست کا تو یار ہے دشمن کی میں
میں ہوں کہ اک غیر پہ بکا کرتی ہوں شیر
ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر
ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے
مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری
رومیوں کے حوصلے ہو جاتے پست
کرتی نہ عباسیوں کو پائمال
فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر
کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل
ٹھیرتے دعوے ترے سارے دروغ
رنگ نہ یاں اپنا جماتی اگر
خلجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو
مغلوں کا یاں آکے نہ گڑتا علم
پھیلتے مغرب کے نہ یاں علم و فن
اب کہوں کچھ اور جو گزرے نہ شاق
جلوہ گر انصاف الٰہی کی شان
چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار
بات رہے اس کی بنی تا ابد
رشک سے قومیں تکیں انکی طرف
دوست رہیں شاد عدو پائمال
عادت حق کی نہیں تجھ کو خبر
دوسرے دن اس کو گراتا ہے وہ
عزت و دولت کی ہے اک حد ضرور
سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور

خصلتیں اُن کی نہیں رہتیں درست
فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سست

بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا
بندوں کے حق اور نہ حقوق خدا

ملتی ہے ہر چند کہ مہلت اُنھیں
پر کبھی ہوتی نہیں عبرت اُنھیں

جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار
ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سزا سے نہیں پھر درگزر
کارگذارانِ قضا و قدر

لیتے ہیں چھین اُنسے حکومت کبھی
کرتے ہیں سلب اُنکی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں اُن کا مٹا
دیتے ہیں دولت کبھی اُن کی اُٹھا

اسپہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے یہ کھا کھا کے گر گئے سنبھل
سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور واں
تا کہ کروں قدرتِ باری عیاں

الحذر اُس وقت سے اے اتفاق!
اُن کے جب کہتی ہوں میں الفراق!

آ گئے اُس قوم کے بس دن بُرے
حق نے کیا جسپہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں
شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین
کوڑی کے کر دیتی ہوں میں تین تین

کرتے نہیں غیر انھیں آ کے پست
پاتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیان اُنکا بد اندیش چھوڑ
آپ ہی مر جاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں
قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہو گیا جس ملک میں یاں میرا راج
قحط و وبا کی نہیں واں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف
کھوتی ہوں میں قوم کا عزّ و شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا
کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حکم یہی ہے مجھے اے اتفاق!
ڈالتی ہوں اسلیے اُنمیں نفاق

ہے مری تحقیر خلافِ ادب
میں ہوں فرستادۂ درگاہِ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا
پھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا

ڈال دیئے قوم نے دلوں میں شگاف
کب تک اے پھوٹ یہ لاف و گزاف

حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم! — جھوٹ میں اور اتنا غلو شرم شرم!
چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں — تجھ میں حقیقت کی کہیں بو نہیں
چیز وہی چیز حقیقت میں ہے — تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے
فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف — ہیچ ہے وہ اسمیں نہیں اختلاف
طبعِ بشر میں ہے ودیعت وفاق — واں نہیں مطبوع بجز اتفاق
رُوم ہوں یا ترک عجم یا عرب — مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب
ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ — ایک سے ہے ایک کے دل کو لگاؤ
ہوتی یہ کب اے جھوٹ اگر تیری اصل — متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
تو ہے وہ سرچشمہ نہیں جسمیں آب — تیری نمایش ہے برنگِ سراب
ایسے بہت کرتی ہیں جلوے عیاں — آدمِ خاکی کی غلط فہمیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ — ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ
تجھ سے بھی پڑجاتے ہیں اکثر بگاڑ — رائی کے ہو جاتے ہیں بن کر پہاڑ
ہے یہ نمایش تری اے خودنما! — شعبدہ اک وہمِ غلط کار کا
سینکڑوں گھر جہل کے گھائے ہیں یاں — پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یاں
جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں — ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سوجھتی واں کوئی چیز — نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز
قوم کی تعریف نہیں جانتے — اپنی حقیقت نہیں پہچانتے
کر نہیں سکتے وہ حقایق میں غور — کہتے ہیں جز اور ہے کُل اور ہے اور
جانتے دریا کو ہیں اک شے جُدا — قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جُدا
پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا — ہے انھیں قطروں سے وہ دریا بنا
بس یہی انساں کی غلط کاریاں — دیتی ہیں پہنچا اُسے اکثر زیاں
ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر — تو لنے لگتا ہے اُسی پر تبر
چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ — کانٹے اُسی راہ میں بوتا ہے وہ
پینے کا جو اُس کے ہے جاں بخش جام — زہر ملاتا ہے اُسی میں وہ خام
حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں — جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

ہوتی ہے پر ختم شب تار جب
پھیلتے ہیں علم کے انوار جب
شے نہیں رہتی کوئی پیش نظر
نور حقایق کے سوا جلوہ گر
سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ
تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے پھوٹ
وہم دوئی دل میں سماتا نہیں
اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں
بھائیوں پر پہلے جب تھے جو وار
اپنا بدن پاتے ہیں اُن سے فگار
اُن پہ چلائے تھے جو تیر و سناں
اپنے بدن پر ہیں اب اُنکے نشاں
اُنکے سمجھ کر جو بگاڑے تھے کام
کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یاں راہبر
برکتیں اللہ کی اُس قوم پر
جانتے ہیں وہ برکات وفاق
اُنپہ ہیں روشن خطرات نفاق
فرق نہیں اُن کے زن و مرد میں
قوم کی طاقت ہے ہر اک فرد میں
رتبہ یہ ایکے نے ہے اُن کو دیا
لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرمانروا
زور سے ہیں اُن کے زبردست زیر
لومڑیاں سامنے اُن کے ہیں شیر

اے کہ تری ذات ہے عالم پناہ
اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہاتھ ہے
تیری صفت جامع اشتات ہے
مُنتج ادبار ہے جب تک نفاق
مُثمر اقبال ہے جب تک وفاق
تلخ ہے جب تک ثمر اختلاف
ہے تر و تازہ شجر ائتلاف
بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر
رکھیو ہر اک قوم کو شیر و شکر
ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی
ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی
بندے ہو بند نہ کوئی جدا
بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا
پھوٹ کسی قوم میں پڑ جائے جب
ایک سے ایک انکی بچھڑ جائے جب
رکھنی ہے باقی تجھے گر اُن کی نسل
تفرقہ کر اُن کا مُبدّل بہ وصل
ورنہ اگر ہو نہ ملاپ اُن کو راس
اور نہ ہو سر جوڑنے کی اُن کو آس
زندہ جیے تو جیا جب بے آبرو
جلد اٹھا لے اُنھیں دُنیا سے تو

پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا | حق میں ہے اُس قوم کے بہتر فنا

مسلمانوں کی تعلیم

مرتّبہ سنہ ۱۸۸۹ء

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علی گڈھ پڑھا گیا تھا

زمانہ دیر سے چلّا رہا ہے اے مسلمانو! | کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہوں گر نہ معنی لا تسبّوا الدہر کے تم نے؎ | تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربّانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہونگے جنکا کہنا ٹل بھی جاتا ہے | اگر میری نہ مانوگے تو پچھتاؤ گے نادانو!
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو! | خبر تم کو بھی ہے کچھ اے مری چالوں سے بیگانو!
گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے | بس اب ثروت ہے ہنر دوزی کا حصہ اے تن آسانو!
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یاں عیش کرتے تھے | ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو!
مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں | یہ سودا کب تک اے شمعِ سحر گاہی کے پروانو!
پھر اب سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیار واں کوئی | کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو!

نصیحت میری مانو اب بھی اپنے ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورِ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری | جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری
جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ اُن کو | کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلّت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں | نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہونگے سوداگر | تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئیگی پسند اُن نوکروں کی خدمت و طاعت | جنھیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری

؎ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جسکے الفاظ یہ ہیں لا تسبّوا الدہر فان الدہر ہو اللہ یعنی زمانے کو برا نہ کہو۔ کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شئونِ الٰہی میں سے اور زمانے کے جو واقعات تم کو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ✣

اگر چاہیں گے لڑنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا انکو امتحانِ علمِ بیطاری
نہ مستغنی بکاول علم سے ہیں اب نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملیگی درس گاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پسنہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو تیغِ علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر نہ بازی گر نہ سوداگر
مہندس چاہیئے ہر دور اب اور راج اقلیدس
بس اب دُنیا میں بے علموں کا ہو اللہ ہی یاور
نبھے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جرتی
بس اب سوچی فلاطونے یونہی تجھ تو ہوں کمتر
جہانداری میں آج ایک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
جہانگیری میں ہے ایک ایک سپاہی طغرل و سنجر
گئے وہ دن کہ تھے مخدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہو اُس سے اعلیٰ تر
کوئی دنیں خسارہ سب سے بڑھکر اسکو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھیرا رہے یاں ایک حالت پر
نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُن کا مٹا دوں گا

ہمارے شکر سے اے قوم احساں اُس کا بالا ہے
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یاں ڈول ڈالا ہے
خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سید!
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے
فدائی قوم کے تجھ سے ہی گذرے ہونگے دُنیا میں
کہ دلسوزی کا جن کی آج قوموں میں اجالا ہے
بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے
کریں کیا گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ ہمدردی کی کیفیت سے اُن کو پالا ہے
نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں سے انکو اسلئے حیرت ہے [illegible]
کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈر انکا ہے اُس سے
کہ نیکی کا نشاں [illegible] خود مٹنے والا ہے
کیا گو تو نے سب کچھ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ابھی آخر قوم کی تعلیم پانا سخت کالا ہے

جسے احباب اک قصر رفیع الشان سمجھے ہیں — نہ ہو تو ہمکا پشتیباں تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا انکے سر سے اٹھ جائے

ترے احساں رہ رہ کر سدا یاد آئینگے ان کو — کرینگے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائینگے ان کو
تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں — نتائج اسکے تیرے بعد خوں رلوائینگے ان کو
تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے — زمانہ کے حوائج جلد تر شرمائینگے ان کو
ترے کاموں کو خود کامی پہ جو محمول کرتے ہیں — دل انکے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائینگے انکو
انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید — وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائینگے انکو
بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے — مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائیں گے ان کو
اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی — لگائینگی وہ گھر میں آگ جب سلگائینگے ان کو
بہت ہیں مدعی ہمدردیٔ اسلام کے لیکن — ٹٹولیں گے انھیں جب یار خالی پائینگے انکو
کبھی تسبیح کو ان کی ملی فرصت وظائف سے — تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے انکو

گلا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا اصلا تجھ کو
نہیں امید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے — انھوں نے یہ پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے
یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا — خدا نے زندگانی میں تری تجھ کو دکھایا ہے
بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن — رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے
دیا ہے ساتھ بھی تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے — اگر دو چار نے کچھ کہہ کے تیرا دل دکھایا ہے
ادھر پورب سے پچھم تک ادھر اتر سے دکھن تک — مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے پایا ہے
اودھ سے سندھ تک کشمیر سے راس کماری تک — دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
دکن میں تیرے یاور ہیں دوابہ میں ترے ساتھی — ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے
خصوصاً وہ مبارک ملک جس نے ہند میں اول — رکاب اسلام کی تھامی اور اپنا سر جھکایا ہے
خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر — جنھوں نے ہر سفر میں تجھکو آنکھوں پر بٹھایا ہے
جنھوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھکو مانا ہے — تری نصرت میں اخلاص مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری

کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئے ہیں سرد دل یار دیکھے تو ڈھارس بندھاتا رہ ۔ امیدیں اُن کی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
ہوا پروا ہو یا پچھوا نہ کر تو اس کی کچھ پروا ۔ لگایا ہے چمن جو تو نے پودے اسمیں لگاتا رہ
اُمیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے ۔ دعائیں قوم کی لے لیکے عمر اپنی بڑھاتا رہ
ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی ۔ سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ
نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیاءِ موتیٰ سے ۔ جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہکر ۔ تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ
فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے ۔ ہر اک شعلہ کو آبِ بردباری سے بجھاتا رہ
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کُشتوں نے ۔ مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
شدائد میں تحمّل خاص میراث انبیا کی ہے ۔ جو تو آلِ محمدؐ ہے تو سب صدمے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دارالمحن میں رنج سہنا ہے
پھر اسکے بعد تجھ کو زندہ جاوید رہنا ہے

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیرِ ناتواں ہم میں ۔ پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہونگے بیچلر اور ماسٹر پیدا ۔ مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
یہ ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہے ۔ نہیں رشتہ کوئی ملّت سے باقی درمیاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کر دیئے تحلیل سب اجزا ۔ نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں
ابھی آئے تک فلاحِ قوم پر کوئی کمر باندھے ۔ ہزاروں اُس سے ہو جائینگے پیدا بدگماں ہم میں
ابھی بن لیں کسی قومی جماعت میں شریک ہو کے ۔ ہزاروں ہونگے یہ بدخواں سکر بیاں ہم میں
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے ۔ نہ دُور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں
اگر بوجھے ہیں پہیلی کی نہ سیّد ہم کو بتلاتا ۔ تو اسلامی اُخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں
نہ کی سیّد کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے ۔ تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک ۔ کرو دھندلا نہ اس رستے کو جو ہے بے غبار اب تک
جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے ۔ تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

پھر اُن کے بعد دیکھیں گر مربّی اپنے بچوں کا — تو اک بچوں سے بڑھ کر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں
خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دکھ سکھ میں — اُسے جب آکے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں
رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے — جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں
نہ سمجھیں یہ کہ ہے اُس کو ہماری مدح کی پروا — اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں
محبِّ قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسیں — جنھیں باور نہ آئے وہ محبِّ قوم بن دیکھیں

ادا سیّد کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالیؔ
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالیؔ

جوانمردی کا کام

مرتبہ ۱۸۷۴ء

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لی گئی ہے اور اُسکو اُردو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا ہے

تھا کسی مُلک میں اِک دولت مند — حق نے تین اُسکو دیے تھے فرزند
دُور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا — باپ بیٹوں کی جوانمردی کا
باپ ہوں جن کے مروّت والے — بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمّت والے
ہو چکا عمر کا جب سرمایہ — ایک دن باپ کے جی میں آیا
گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر — مشترک چھوڑ مرے اِس کو اگر
جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم — آخر اک روز ہے مرنا تسلیم
بسکہ تھا اُس کو بہت فکرِ مآل — ایک دن بیٹھ کے سب مال و منال
اِک گرانمایہ جواہر کے سوا — تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
پھر کہا اُن سے کہ اے اہلِ ہنر! — باپ کی جان فدا ہو تم پر
تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی — یہ جواہر ہے امانت اُس کی
باپ نے اُن سے کہا جب یہ سخن — پھر تو تینوں کو لگی اور یہی دُھن
کہ کوئی کارِ نمایاں کیجیے — جس طرح ہو یہ جواہر لیجیے
اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے — اُس کو یہ فکر سوا تھا سب سے

ایک دن اُس کا کوئی واقفِ کار — کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار
رکھ گیا آکے جوانمرد کے پاس — ایک بھاری سی رقم بے وسواس
تھے رقم سے وہی دونوں آگاہ — نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
کچھ بھی نیّت میں گر آجائے خلل — تو یہ تھا عین خیانت کا محل
جب رقم اُس نے طلب کی اُس سے — وسوسے دل میں بہت سے آئے
مگر اُس شیر کی نیّت نہ پھری — لی تھی جن ہاتھوں اُنھیں ہاتھوں دی
نفسِ سرکش کو کیا مات اُس نے — دی رقم اور نہ دی بات اُس نے
صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا — وہ بھی اُس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے دی جب یہ خبر — ہنس کے فرمایا کہ اے جانِ پدر!
اِک بُرائی سے بچے تم تو کیا — اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
اِک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز — شرم کی جا ہے، تری عمر دراز!

منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا — میں جو دریا کی طرف جا نکلا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر — گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر
تھا جہاں یار نہ کوئی یاور — ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
آنکھ تھی جانبِ مادر نگراں — ماں کنارے پہ کھڑی تھی گریاں
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا — پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھ کو خبر — جا پڑا نامِ خدا کا لے کر
جان تو جا ہی چکی تھی اُس کی — پر مری شرم خدا نے رکھ لی
ایک دم بھر میں گیا اور آیا — لاکے بیٹے کو دیا ماں سے مِلا
باپ نے سُن کے یہ سب اُس سے کہا — کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا!
آدمیّت کا کیا تم نے کام — جاؤ بس ہے یہی اِس کا انعام
فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے! — نہ ہو اتنا بھی تو انساں کیا ہے!

پسرِ خُرد کا اب سُنیے بیاں — جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں

آغازِ نظم

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں!
اِک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوارِ کوہ
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
بحر میں ہوتا ہے اِک شورِ قیامت آشکار
خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
تونے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملکِ غیر سے

زیب دیتا ہے اگر کہیے تجھے سالارِ جہاں
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں
جبکہ اس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
(دستِ گلچیں نارسا و نخلِ دولت گلفشاں)
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیر افشاں

چل رہی ہے امن کی ہر سُو ہوائے خوشگوار
(ہو نہ اب کید و خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدّس آریاورت آئی کیا تجھ پر بلا
کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق اور اتحاد
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
بھاگنا بھی دشمنوں کو واں سے ہو جاتا محال

جس نے بزمِ یکدلی کو تیری برہم کر دیا
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اُٹھا کر دیکھتا
ہاں مگر نا اتّفاقی کی ملی تجھ کو سزا
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا
دیکھتے جب ہر طرف سے آئے سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمّت تو) مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و الفت کی زمیں
تخم جس مٹّی سے اُگنا چاہیے تھا نخلِ مہر
سر بسر تختے گلِ خودرو کے جس جنگل میں تھے
امن قایم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں
دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
جنگ و خونریزی کے خوگر ہوئے وہ بھی یہاں

قوم کے ہمدرد ہوتے ہیں ہر کانکے سب کہیں
جم گیا آب و ہوائے دہر سے واں تخمِ کیں
(غور سے دیکھا تو پنہاں تھے درندے بھی وہیں
جتنا دن چڑھتا گیا ہو گیا عزلت گزیں)
فانیوں کی طرح یاں آکر رہے وہ با یقیں
ورنہ فتنہ کا قدم تک یاں نہ آیا تھا کہیں

؎ یہ شعر اپنی طرف سے اسلیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ بند کے پورے سات شعر ہو جائیں ÷ حالی ÷

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
اک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا!!)
جانتا ہے اک جہاں اسکندرِ اعظم کا نام
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِّ راہ
گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
گو ہوئی اُسکی رسائی چشمۂ حیواں تلک
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار

اس خرابی پر بھی روس کے تو نے حملے بارہا
چشمۂ حیواں پہ جسکو لے گیا بختِ رسا
اور تسخیر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
سایۂ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا
پر نہ ہر گز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
(دل میں جو ارمان تھا وہ دلکا دل ہی میں رہا)

دقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے
کام ہی مشکل تھا اتنا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے سبک رفتار بیاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
تھا کھڑا حیراں سکندر اور یہ کہتا تھا کہ بس
جب سکندر پھر گیا ہو یاں سے بے نیلِ مرام
بعد مدت پھر وہیں آئی امنڈ کر اک گھٹا[1]
جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے[2] نامور

رکھئیں فوجیں ٹھٹک کر اُسکی دامنِ اجل کے پاس
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
فتحِ ہند اک خواب تھا اور اُسکی تھی تعبیر یاس
کون پھر ایسا ہے آئے یہ عزیمت جسکو راس
بیاس کے میداں میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس
پھر گیا اک کرجہاں سے اپنی فوج بیقیاس

کر سکے کچھ واں نہ اس حملہ کے آگے اہلِ ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہلِ ہند

پہلے اس فتحِ نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُنسے بارہا
وہ نشاں جنکی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب[3]

کر گئے یاں آ کر تیغ آزمائی منہ بمنہ
حملہ آور آ رہے اور بڑھتے رہے روبرو
کہہ نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو

ف۱ اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۸ء میں پنجاب پر ہوا۔ ۱۲
ف۲ یعنے سکندرِ اعظم۔ ۱۲
ف۳ یعنے جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہابِ ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپائدار تھی اگر
ہندوستان پر حملہ کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے ÷ ÷ ÷

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہراس | آگے ٹھیرا پہلے مینڈر[۱] کنارِ آبِ جو
دھار میں گنگا کے وہ ہتھیار پھینکے سربسر | ہند تک یونان سے جو پینے آئے تھے لہو
ناگہاں جہلم پہ چمکی آنکر ستھیا[۲] کی آگ | اور پھیر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے تک جھنگ بیاس اور ستلج کو پھاند
ہو گئے یونان کے ہتھیار آگے اُس کے ماند

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند | جانبِ ہندوستاں محمود[۳] نے ہانکا سمند

۱ مینڈر یونان کے سوتیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہے یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنے خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰ سے دو سو برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ مینڈر نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۸۱ سنہ قبل مسیح سے ۱۶۱ قبل مسیح کے درمیان حملے کیے ہیں اُس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا۔ ۱۲

۲ بحرِ اسود اور کوہ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُن کو ستھیا والے کہتے تھے اب وہ تمام یوروپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں ستھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے۔ ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُن کی زبردست سلطنت قایم ہو گئی تھی۔ اُن کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنشک ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بودھ مذہب کی شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ ستھیا کی آگ سے غالباً اُن کی جہانسوزی و تاخت و تاراج مراد ہے۔ جیسے کہ بایزید عثمانی کو یلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ۱۲

۳ انگریزی مورخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور برافروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چیڑک چیڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے ہندوؤں پر محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا ہے اسی طرح ایک اور انگریز نے انہیں کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ نظم

اے ملکِ زرنگار یعنی ہندوستان! قدیم پرستوں کا گوشہ | حملے سے جنکے ہے عرصۂ ارکاں میں زلزلہ
وہ تیرے قصر اور مسجد اور سائبان | معبد وہ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
گنجا کر اور تیرے مندر، راجا اور ان کے تخت | حملے سے اسکے آ کے پڑا سب پہ وقت سخت

پتلا غضب کا کوستا وہ ہولناک ہے
آتا ہے لوٹتا ہوا اس بزم گاہ میں
کتے جو اس کے ساتھ شکاری ہیں بیشمار
بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ

اے خاکِ زرنگار وہ غزنیں کی خاک ہے
بکھرے ہیں بکھرے تاج بہت انکی راہ میں
اُن کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار
مقتول رانیوں کے گلے سے اتار کر
اور بے گنہ پجاریوں کو مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے انکے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں کیگئی ہوں ہمیشہ باعثِ شرم و ندامت رہیں گی لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس دھبے سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شایستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اسکے بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خونریزی و بیرحمی میں مبتلا تھیں۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوعِ انسان کی دو خصلتیں نہ کبھی پہلے میں نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دبانا اور ستانا جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور بھیڑیوں کو یا شیر اور چیتا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسی طرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جبکہ اہل یورپ امریکا میں جاکر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکا کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی میکسیکو اور پیرو جو کہ امریکا کے دو شایستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیے انکی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اس نے اور اسکے بعد نئے وارد ہونیوالے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ میکسیکو کو قطعۃً ویران کردیں اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کریں۔ چنانچہ جہانتک اُنسے ہوسکا وہاں کے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کرکے اُسکا دیا اور اُس کی رعایا کو اس کی آنکھ کے سامنے ہلاک یا قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جنمیں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے۔ معصوم بچوں کے روبرو اُن کی مائیں اور باپ بجرم عقوبت وحشی آگ میں جھونکے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پکڑوائے جاتے تھے پھر ہسپانیہ کے مذہبی مقتدی اور سب غریب عیسائی نئے مفتوحوں کو قتل

یعنی مسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بددین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہی کہ تقریبًا ایک تین بنی آدم ان مقدّس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہہ ملک جنوبی امریکہ میں بحر الکاہل کے کنارہ پر واقع ہے۔ فرنسسکو پیزرو کہ غالبًا اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا اُس نے پناما یا اُسکے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت پیرو کو جس کے تموّل کی بہت شہرت تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو پھیرے کے بعد اُس ملک پر قابض ہوگیا پھر تو کوئی ظلم و تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا اور چاندی چھین چھین کر چھین لی گئی تو جب انتہا درجہ بے بس ہو کر ان بندگان خدا اُنکے ظلم و ستم سے تنگ آ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے جہاں وہ آخر کار بھوکے گر گر کے مر جاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بیرحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہو تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ ناہموار۔ بے ڈول اور ناشائستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُن کے پڑوس میں رہ سکیں۔ جسقدر انگریزی تاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصے میں غایب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ دہیں معدوم ہوگئے اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ تسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر اُن سویلائزڈ قوم تھی یورپ والوں کی ہمسایگی کے باعث بالکل فنا ہوگئی۔ یہانتک کہ اب ایک شخص بھی اُن کی نسل کا باقی نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے انگریز جیسے اعلے درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھیر سکتے تھے۔ بیت

توبجلوہ چون درآئی۔ اجل از سر ترحّم ہمہ جا کنند منادی پے احتراز کردن

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ اُن کی عین دانائی تھی کہ اُنھوں نے

صنعت کی بدنامی ہمیں ہی۔ اور تمام بر اعظم اُن کے لئے خود بخود خس و خاشاک سے پاک ہو گیا
بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اسقدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے
حصے کے باشندوں سے اسقدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں
سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت
نہیں رہی جسقدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اس سے
بضعاف مضاعف اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کھچا جاتا ہے یہانتک کہ جب دو ایسی
گورنمنٹوں کے درمیان جن میں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہد نامہ تحریر ہو جاتا ہے
تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اسکے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری دوسری گورنمنٹ کے تمام
ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ **ابیات**

نہیں خالی خطرہ سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن	حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
[illegible]	یہ گل چینی ہے یا [illegible] ! یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اسمیں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ
کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا رہی ہے [illegible]
وحشیوں کی دستکاری بیکسی سے کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی ناچار ہمیشہ کو محتاج ہو جاتے ہیں
[illegible] پیشہ لوگوں [illegible] دنیا بڑھتی ہو کہ زمین کی پیداوار جسقدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے
اُتنی ہی ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اسی سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے
اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جسقدر زیادہ
مانگ ہوتی جاتی ہے اُسیقدر اُسکے تیار کرنے اور پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور صنعتی
چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسیقدر اُن پر لاگت کم آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی
ہے۔ ملکی تاجروں سے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں اول تو
اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے۔ اور اگر قلیل (جیسے آجکل بھی ملک کچھ نہ کچھ
ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیا کا خرچ گراں ہونے کے سبب
اُن کی کمائی میں سے بہت کچھ انداز ہوتا ہے اور جسقدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آمدنی اور غیر
ضروری چیزوں کے خریدنے میں [illegible] کمال لیاقت اور لطافت کے نہایت ارزاں [illegible]
[illegible]

سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں اُن کے معاملات لین دین اُن کروڑ پتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس و قلاش تصور کرتے ہیں جنکی آنکھ کے خون سے ہمیشہ دوالہ نکل جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیر دستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا کہ تاریکی اور وحشت کے زمانے میں تھا اسی کے قریب قریب اب بھی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لیے پہلے جبر و تعدی کی ضرورت تھی۔ اب اسکی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ان سولائزڈ دُنیا کی دولت سولائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھنچی چلی جاتی ہے۔ ایک اژدہا شیر کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا کہ کیا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے اور شکار کی دھن میں دُور دُور تک دھاوے کرتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے۔ آج اس ہرن کو پھاڑ ڈالا کل اس پاڑھے کے ٹکڑے اُڑا دیئے ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود گھسٹے ہوئے میرے منھ میں چلے آتے اور میری حرص و ہوا کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔

مع ذٰلک اگر آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آجتک پولیٹکل اکونمی نے اسبات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے۔ یا خاص خاص صورتوں میں خلافِ انصاف بھی ہو سکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے اسلیے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اسلیے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے ان پر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مشہور ہے کہ حکیم علوی خاں کے زمانہ میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطار بھی اُسکے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اسی کے قریب قریب اس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ علوی خاں نے کہا "بلے۔ لاکن من بقاعدہ کشم و آن قوم بے قاعدہ می کشند"

(حالی)

نہ ملا جو اس کے تئیں اس نے جو رحمت تھا مگر
تشنہ تھا بیاباں ہوئی تھی یہاں آفت برپا
خلق پر غش آ رہے تھے ہر دن اس طرح کہ ہم یہاں
روندتا تھا جبکہ وہ کھیتی ہوئی تھی ہر طرف
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بنا و تھا جہاں
بند و بندہ دل پہ اس کے ستم ... بند
اور جلتا تھا جادو میں اس کے آسیب و گزند
سائل اٹھتا تھا جہاں وہ اژدہا سے زور مند
صلح سے بجھتا نہ تھا جو اٹھا ہو شعلہ بلند
قتل و غارت اس کا تھا اک بازی سلطاں پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یاں سے تو مثل دشت ویراں تھا یہ ملک

آخر اے دانا کچھ سبب اسکا بتاؤ
جبکہ حق اور راستی ہیں خاص رحمانی صفت
جبکہ ہے سرچشمہ مہر و محبت ذات حق
کیا یہ زیبا ہے کہ دین حق کو اے اہل خلق
یا یہ بہتر ہے کہ سمجھا دوستی اور پیار سے
دل کرو اہل جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
ہے بنی آدم کو کیوں قتل بنی آدم کا پیار
پھر تعجب ہے کہ جب الہی کا ...
پھر نہ مانی جائے کیوں اس کی شریعت ...
زور سے منواؤ تم اور بدیاں خون کی بہاؤ
اور ان باتوں سے جن میں جلوہ الفت کا ...
حکم پھیلاؤ خدا کے اور بتاؤ ان ...

دل وہی کا خار وحش سے پاک ہونا چاہیے
گلشن دین بے خس وخاشاک ہونا چاہیے

خار ہی خار آتے ہیں نظر لیکن یاں نظر
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
اور ایسی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اس میں ذرا
دم بدم سیراب اگر خون شہیداں سے نہ ہو
بے شہادت دل نہیں سکتی حیات سرمدی
کون ہے استاد اور شاگرد دونوں کا بدر
راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر
دو زمانے کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
نخل شادی آنسوؤں کے نم سے لاتا ہے ثمر
رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر
موت ہے جو زندگی کا اور الم باب ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخم کاری کا مزا پاتے نہیں

اے جلال الدین ہے تو ہی وہ شاہ نامدار
صلح کل جس کی زمانہ میں رہے گی یادگار

۵ استاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے + + +

بسکہ آزادی بنی نوع بشر کو تو نے دی
ہمت ہندوں سے بالاتر تھے جو اسرار دیں
حوصلہ نکلا ترا شاہان پیشیں سے وسیع
پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ ٹھیک
ثمرہ آخر ملگیا اُن سے تعصب کی انہیں

رائے پر ہر شخص کی تقریر اعتقادیت کا دار
بحث کرنے کا دیا ہندوں کو نہیں اختیار
تجھ سے القاب شہنشاہی نے پایا اعتبار
ہو گیا اُن کا تعصب غیر کے کا آنے بار
کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار

خار وخس سے ڈھیر میں کھنڈر ہو گئی آتش کی آنچ وال
دولت روئے زمیں کی جلوہ آرا تھی جہاں

خیر اُن کے ذکر سے اب کیجیے قطع نظر
امن، راحت، اتفاق اور یکجہتی انصاف کی
اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں جنہیں نصیب
امن و راحت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
دیکھکر آخر ہی کا دور دورہ نیکیاں

خوبیاں تھیں عہد میں اُنکے نہ لیکن ہند پر
ملک افزائش سے ہر جن کی ہو دولت پر زور
بلکہ تن سے رغبت او اخلاص ہو جو جلوہ گر
چھا رہی تھی جبکہ مایوسی دلوں پر سربسر
جائے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا غلبہ پر
ہو چکی تھیں یا لیے رخصت آمادہ سفر

اس اندھیرے میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا
(چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا)

کیا مرہٹے۔ کیا مغل۔ سادات کیا افغان کیا
علم و فن۔ جرأت۔ نکوئی مٹ گئیں سب خوبیاں
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی
نا خداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش
سب طرح چھایا ہوا تھا ابر ظلمت چار سو
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک

عہد میں سب کے رہی یہاں بارش ابر بلا
دمبدم طوفاں بدی اور عیب کا چڑھتا رہا
بحر بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
اور جہاز عافیت تدبیر کے بس کا نہ تھا
کوکب رہبر کا ڈھونڈنے سے نہ ملتا تھا پتا
اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرنے لگے وہیں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور شہسوار

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے
آ کے انگلستان نے طوفاں کو للکار کر

تب نجات آئی یہاں ناؤں سمندر پار سے
باندھ [illegible] ہمت جو اس نے کر دی رفع آفات

مدّتوں کی سختیوں سے مُلک چھوٹا یک قلم — ہند کو اپنوں[1] نے دی آکر نجات اغیار[1] سے
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں ایک تھے — کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے
گو رہے چندے جدا پڑ گئے اجسام کو — کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے
اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہر گز اہلِ ہند — دا مَنہ اور سنگ دونوں نکلے ہیں کہسار سے

اب نہ چھوڑے گا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقۂ لاتعقل و کوتاہ بیں — ق — اپنی کجرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں
اب ہیولے کو نہ سمجھے مصدرِ کُل کائنات — ۲ — اتفاقِ دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں
ورنہ ہم پوچھیں گے اُس سے کس طرح اک اتفاق — ۳ — یا ہیولے لیگیا مغرب سے تا مشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر تجارت کے لیئے — ۴ — تا کہ ہوں پردیسیوں کی طرح داخل گہیں
اور پھر اس کشورِ آباد پہ قابض ہوں وہ — ۵ — ایک مدّت تک رہا مغلوں کے جو زیرِ نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے
یا مشیّت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھلائے

ایسے بدیا نات بجا ہے یہ بہتر ہے کہ ہم — مان لیں بشر[2] اور اسُر کی داستاں ہے بیش و کم
گو اک افسانہ ہے لیکن دہریوں کے قول سے — اُس میں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں پاتے ہیں ہم
اہلِ انگلستان کا آنا سمندر پار سے — ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی جو اس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی — ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم

[1] اپنوں سے مراد مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں ۱۲

[2] بشر دیوتاؤں اور اسُر راکشس کو کہتے ہیں۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیو فتحیاب ہوئے اور راکشس ہار گئے۔ راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر کیوں آخر مغلوب ہو گئے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پاس عنبر یعنی مختروں کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتابیں چرا لیں اور ایک راکشس ... سمندر میں غائب ہو گیا۔ بشر نے جو یہ حال دیکھا ... جا کر ... اور دیوتاؤں کے سامنے منتر ... سمندر میں اور بھی ...

رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں اُن کو نکالنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں میری پیٹھ پر رئی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا اور تسمہ کی جگہ باسُکی (سانپ کا نام ہے) اژدہ ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اس کے دونوں سرے سُر اور اسُر اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ مونھ کی طرف سے سُروں کے اور دُم کی طرف سے اسُروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ سمندر سے چودہ رتن۔ یعنی لچھمی۔ جواہر۔ شراب۔ دھنتر بید چاند۔ گئو۔ گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔ تیر کمان۔ امرت اور بِس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت پر سُروں اور اسُروں کے باہم تکرار ہو گئی۔ اُنھوں نے کہا ہم لیں۔ انھوں نے کہا ہم لیں۔ الپشنہ ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُن پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونوں اُس کی صورت پر فریفتہ ہوگئے اور آپس میں یہ بات قرار دی کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اُسکو خوشی سے لے لے۔ چنانچہ اُس عورت یعنے الپشنہ نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام اُن دونوں فریق پر تقسیم کر دیے۔ امرت سُروں کے حصے میں آیا تھا۔ مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُٹھا کر پی گیا۔ دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اڑا دیا۔ لیکن بِس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا شیو یعنے مہادیو جی نے کہا لاؤ اسکو میں کھا جاؤں۔ وہ اسکو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنے حلق میں کر لیا جسکے سبب سے اُنکا گلا نیلا پڑ گیا

شاعر اس بند میں قصہ مذکور کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قایم ہونا اس قصہ کا مصداق ہے۔ گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے اسُروں یعنے ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے۔ اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے۔ گویا سمندر کا بلونا تھا اور اُن کی سلطنت سے جو زندگی یعنے امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا۔ اور بِس زہر ہے کہ مہادیو جی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے اگلے دیوتاؤں یعنے قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے۔ اور اُن کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائنگی اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق۔ یعنے علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہے گی ۱۲ حالی

اب رہا وہ دور جس سے حق شناسی ٹل گیا
یہ وہی حق ہے کہ جب واسطے باطل کے ستم
جس سے ہوگی نوا سنجی دیوتاؤں کی نمود
اور ہوئے آثار غیب گو کے یک قلم

جو مٹا سے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبح صادق کی طرح ہوگی روشنی جبتک عیاں

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی
اس کو اب اتفاقی جانتے ہیں
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف تک
تجربہ کی یہ عقل کی ہے نہ ہنر و جرأت کی تھی
ہاں مگر تقدیر چاہتی جب کہ ہر شے کا مدار
چاہیئے اس کا اقتدار الٰہی ہی
اکبر اور شاہجہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
سلطنت کی جو لیاقت چاہیئے وہ ان میں تھی
وہ اک اورنگ شاہی بھی کم نہ تھی شمشیر دلی کچھ
فتح ان کی ہر طرف اپنی حد سے آگے بڑھ گئی
آج یہ صوبہ پھر اس گل ملک وہ باغی ہوا
ہند میں سب نے کیا نقشہ یہی صورت یہی

دیکھو تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پہ سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیر سلطانی علم

راج یہ راجہ اشوک کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
جن پہ فرماں اسکے اب تک ثبت ہیں بے اشتباہ
ہند میں انکے بیلا تھیں گڑی ہیں دور دور
ہے ہویدا جنسے اُس کی وسعتِ تمکین و جاہ
پھر نشان فتح جو اول پڑا اسی میں گڑا
اور شہر کابل میں پہنچی چڑھ کے اُس کی کلاہ
ہر قِسم کرتے ہیں کہ وہ اثر سے لیکر تا دکن
کر چکا ہے جو سے ان لاٹھوں کی ہر ٹکر قطع راہ
پورب اور پچھم میں بھی ڈالا ہوا اسنے دور دور
سایۂ عدل دلکوئی پر تو امن و رفاہ
ہے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہینگے منقش اسپر ہزاروں سال و ماہ

نام ہے وکٹوریا کا اُن سے بڑھ کر پائدار
نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا استوار

مشرقی راج آج تک تھا جنہیں رب ذو المنن
اک امانت جس سے محروم تھا قرنی بعد قرن
قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
ہو گئے اُس کی تمنا میں سلاطین زیر زمن
ہاں مگر جو فخر شاہانِ جہاں وکٹوریا
تھی یہ قسمت فرقِ مبارک سے لگی اُس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اُس سے کہدو لائق حلوا نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر
بالیقیں ہے برطانیہ کا سب سے بالا انجمن

جو خوشی دی ہے خدا نے اس سے جی ٹھنڈا کریں
یاد شبہائے گزشتہ سے نہ دل میلا کریں

رانی اب وقت کی ہم پھیرتے ہیں ہر بلا
اتفاق و دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
مملکت فوجوں سے اپنی وسلحے سے معمور سب
سر پہ وہ تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے
برخلاف اس ملک کے جو ڈھک رہی ہو برق سے
بھیڑیونکے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیر کے

جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر ایک کو جدا
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اسکو ملا
ق ہر طرف ہے تن ہی تن اور قحط ہے جاندار کا
۲ تا کہ جو مل جائے وال آوارۂ دشت بلا

کر کے چھوڑیں اس کو ایسا بے کس و بے خانماں
حشر تک بیٹھے رہیں فرقت میں اس کی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار
فرض کیجے کل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ہے یقیں مقدار اسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
زندگی کی ریت اب ٹھہرے گی شیشے میں ہوا
اسقدر بندوں کی روزی کا نہیں کیوں فکر ہو
کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہیے

ہے موافق اس کی وسعت کے رعیت کا شمار
ایک حصہ اسمیں اہل ہند پائیں گے قرار
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اسمیں بار
پیشتر جسکے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار
ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
بڑھنے پائے گا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

لہ یعنی سب کو ایسی آزادی حاصل ہے ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف لکھنے کا مجاز ہے گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں۔ تہ یعنی روس کے ویران اور غیر آباد ملک کیطرف اشارہ ہے۔ سہ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں حشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کیلئے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائیگی اسیقدر یہانکے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے اور اس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آکے ٹھہر جائیگی یہ آپ ہی آپ ایک خاطر خواہ علاج بھی اس کا ہے۔ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونے کے اسباب کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لیے کافی نہو۔ اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں۔ اس اندیشہ کو وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہینگے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی۔ اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرنا بتاتا ہے ۔۔

یاد رکھو اے منکرِ حق ۔ ہے یقیں اصلِ نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی یہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا انہیں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اُسے
ہے اگر غلبہ[۱] کا کثرت پر رعایا کی مدار
کچھ بھی ہمت ہو اگر اسمیں تو پھر ممکن نہیں
بلکہ خود لیجائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ

لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علیحدہ ہو جہاں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و ناں
تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہند ہو سکتا ہے آدھے ایشیا پر حکمراں
آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستاں
اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کیے جائے بسر
عزت و آزادی و زندگی و آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر
ایسے سلطانِ بلند اقبال و فرخ فال کو
ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ کشمیر آج
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[۲] مانندِ طلسم
دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اُسکا انعکاس
باغ شالامار جو رونق فزا ہے اُسکے پاس

ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
اور پھر کیا چاہیے کچھ بھی قناعت ہو اگر
پا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں خیز تر
ہر شمہ کیفیت سے ہے لہروں میں ڈل کی جلوہ گر
دوسرا دنیا کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سر بسر

سبزہ و سنبل و گل کی سرزمیں کہیے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہیے اسے

فی المثل تختہ زمرد کا ہو واں اک سبزہ زار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں

ق
۲

سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار
زیر و بالا و نیچے اوپر گھر قطار اندر قطار
باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار

[۱] غلبہ کا مدار کثرتِ رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات نشین ہونی چاہیے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کیلیے حکومت کیجاتی ہے۔ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین ہو کیونکر امید کیجا سکتی ہے کہ سلطنت کی جاں نثار ہو گی [۲] مرکز کشمیر سے مراد شہر سرینگر ہے ۱۲ +

ان کی وسعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا — سینۂ گردوں سے گویا اب نکالیں گے ابھار
روز روشن میں جب ان کا جھیلوں پر پڑتا ہو عکس سا — انتری ہاں کی ان کو پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھیلے پھر سطح زمان ساقیا کا ہر طرف — سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں — تو نہیں دیتا کسی کو اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یاں پھول اور پھل سے مالا مال ہے — ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں ہر کہیں
ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے — پھر وہ عالم ہے جہاں بجز خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی — ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آکر یہیں
یعنی اقلیم ابد اور یہ جہان خامشی — طاقت انسان کی حد ہے یہ پرندوں کی کہیں
طرفہ سناٹا ہو ان سنسان کوہستان پر — جس کی دنیا میں نہیں مخل کوئی دلنشیں

ہیں یہ سر سبز نہ پایہ آثار انسانی یہاں
موت لیتے ہیں یہ پھٹے سراپردۂ یزدانی یہاں

ڈھونڈئے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال — ظاہرا اینج اور انگلستان کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ — دیکھی پستی سے جو ہیں ان کا ہو تاج کمال
ہے یقیں رہتے ہوں یاں جو دیوتا کہ ہم کو تمام — ہو نہیں ان کی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تابعی پر آئے انگریزوں نے جب کھولی دکاں — ایک مدت تک تو تھے یہ عزت سے اپنی بحال
یعنی ہندوستان کے ہاتھوں سے ہوا گھر اجاڑ — ق اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خون سے لال
لشکر مقدونیہ کا تھا گذر ان پر ہوا — ۲ بعد مدت آ گیا پھر ہنگامہ یہ تنگ حال

اہل انگلستاں کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
ان کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی ہوا — آگ بھڑکی ہر جگہ کی اور خون کا دریا بہا
عورتیں اور ان کے بچے بے گنہ مارے گئے — گھر جلے اور دشمن جان ہو گئے خود مبتلا
بھائی بندوں کی جانیں دیکھ کر غمگیں ہوئے — اہل انگلستان کے ساتھی تھے جو اہل وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھے تھے منصوبے کہ بس — عزت انگلستان کی اب خاک میں دیکھی ملا
صفحۂ ہستی سے نام ان کا مٹانے کے لیے — ہو گیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
لیکن ان کی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب — پھنس گئے پنجوں میں اس کے یک بیک اہل جفا

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اُس کے نشاں

گو ہوئی دہلی پہ حاصل برملا فتح و ظفر — پھر علم اقبال کا لہرانے لگا پھر بے خطر
پر نہ اس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ — وسوسوں سے دل ہے سب ایسے زیر و زبر
چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ — کر گئی دُنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ — شکلیں ہیبت ناک جو لوگوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھہری کہ پلّے اب وہ قیصر کا لقب — تابعِ فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر
قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے — وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُسکے فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ خصمِ شہنشہ سے شستہ ہوا
عہدِ انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اس جا تو یہ تجویز ہو گئی اشاعت کے لئے — ہند میں آ پہنچے پرنس آف ویلز انگلستان سے
ڈیزریلی اڈورڈ جیسے ذی اقبال میں — سرخیل اقوام افغان اب سب ہو چکے
سبقت زادہ اسنے کیا زیر و زبر لشکر فرانس — اور نیا ہے لقب جسکا پتہ اُس جنگ سے
دی فرانسیسوں کو جس نے زک انگلستان سے — جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے
حاکم ہو ہسپانیہ کی جن فوج کی تھی جس زحال — خود وہ نپولین زماں جسکے یاری اقبال سے
جس جگہ اعترافِ بندگی ہے برملا — حاکم نپولین کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذاتِ والا میں فضائل اس قدر
وہ ہوا مامور اس کارِ عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن — اُسکے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے — جوشِ شادی میں در و دیوار تھے نغمہ زن
شہر میں جنگل میں ہر میدان میں ہر راہ میں — جمع تھی اُسکے لئے خلق انجمن در انجمن
وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی — شہرہ ہی جنکی گویا کان میں ہے جلک بھرن
کھینچ چکے ہیں اس ہمایوں جشن کے نقشے بہت — میں بھی اب دکھلا دیا اے فخرِ شاہانِ زمن
چاہتا ہوں کھینچنا خاکا اک اس دربار کا — جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن

جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے — جو کہا تھا سو تمہارے نذر کر دکھایا قوم نے

نظمِ رامپور

یہ نظم مولانا حالی نے جلسۂ کانفرنس دسمبر سنہ ۱۹۰۰ع منعقدہ رامپور کے لیے تیار کی تھی مگر ناتمام رہی تھی اور ناتمام ہی پڑھی گئی

نمبر اوّل

صاحبو! سمجھو نہ اِس جلسہ کو ہرگز سرسری — ہیں مرادیں اور اُمیدیں گوٹ گوٹ اِس میں بھری

ابر کا اِس جا نہ تھا کوئی نشاں جس دن کہ تھا — جہل سے اُٹھنے کو تھی اک فوج لیکن بےسری

اہلِ ملک آباد جو ہیں قوم کی اُمید گاہ — سب نظر آتے تھے ہمدردی کی ہمت سے بری

موتیوں کا ابرِ دریا دل برستا تھا سدا — قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری

سر میں کچھ سودا نہ تھا سب کے قوم کی تعلیم کا — تھیں فقط دینے کو اُن کے پاس تقریریں تہی

گو فصاحت و بلاغت اُن کی تھی ضرب المثل — گو کہ اچھی تھیں اُن کی سحر جادو بھری

سننے والوں پر مگر چلتا نہ تھا اُن کا فسوں — کوئی کافر جانتا تھا اُن کو کوئی نیچری

قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا لاینحل ہوا — پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری

جان و دل سے ہز ہائنس حامد علی خاں پر نثار — جو ہوا ہے اک متاعِ کس مخر کا مشتری

آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تاج ہے — دے رہی ہے یہ شہادت قوم کی مجلس بھری

جان لی ہے قوم کی اُس نے اگر درماندگی — مان لی ہے قوم نے بھی دل سے اُس کی سروری

پہلے سر جھکتے تھے در پر اُسکے اب دل جھک گئے — شہریاری ہے وہی جس میں ہو شانِ دلبری

ایسے کچھ خوش خوش نظر آتے ہیں آج افرادِ قوم — پا گئی گویا سلیماں کی اُنھیں انگشتری

آج کا جلسہ ہے حق میں قوم کے اِک فالِ نیک — موج زن جس دل میں دیکھو ہے اُمیدِ بہتری

اتفاق اور ایسے محسن آجائیں گر دو چار اب
قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار اب

بند دوم

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانہ نے بدل
جو تمدن کی عمارت تھے گئے اسلاف چھوڑ
کام کے ہیں اب نہ دنیا کے ہنر اُن سے کہ نہ تھے
ہیں نئی رسمیں نئے آئین نئی ہے چال ڈھال
ہے نئی گویا زمیں ہے آسماں گویا نیا
بڑھ رہے ہیں جو ہوا کا رخ ہیں یاں پہچانتے
مٹ رہے ہیں جو ہیں اپنی آن پر مچلے ہوئے
ساتھ اُنھیں دنیا کا دینا پڑیگا یاں زمانے کی اُدھر
زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر
سلطنت ہو یا ریاست قوم ہو یا خاندان
جس کو کہتے ہیں زمانہ ہے وہ شانِ کبریا
جو چلے منزل کی دنیا میں چال اُس کے خلاف
ہاتھ ملتی ہیں وہ قومیں اپنی نادانی پہ آج

راس تھا اگلوں کو جو موسم عجب اک کا کل
آگیا ہے اُسکی بنیادوں میں سرتاسر خلل
اور بیکار آج زمانے میں ہر کس اُنکا نہ بل
اور نئے علم و ہنر کا ہے جدھر دیکھو عمل
کھلبلی گویا کہ لی ہے زالِ دنیا نے بدل
مل رہے ہیں اپنی دُور اندیشیوں کا اُن کو پھل
آج گذری خیریت سے تو ہیں پھر آئی کل
رہ رہا ہوگا دُنیا میں کب اُ مُتزلزل
ورنہ اُن کی قوم کی نزدیک پہنچی اجل
جو نہیں تعلیم پر مائل وہ سب جائیں سنبھل!!
اُسکے دستے ہیں اب اُنکی وعیدیں برمحل
رفتہ رفتہ اُن کی چالوں نے دیا اُن کو کچل
ہاتھ سے اُن کے گیا تعلیم کا پہلو نکل

جب یہ حالت ہے تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب؟
ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب؟

بند سوم

یاد ہے اے آدم پور! اپنا تجھے عہد کہن،
خاک سے سونا اُگلتے تھے ترے اور جو رہا
عمر کوشی اُنکے رنگین ہیں وہی تاریخ کے
پر وہ اب وہ تم رہا تجھ میں نہ وہ کس بل رہا
ملک سے رخصت ہوئے دن جنگ اور پیکار کے
شیر بکری آج کل پیتے ہیں پانی ایک گھاٹ
عام ہے اِس عہدِ فرخ فال میں امن و امان
پہلوانوں کے لیے میدان خالی ہیں بہت

جنگ تھا ایک اک جواں یاں شکل گیو و تہمتن
تیری یہ بانسی نہ تھی گویا کہ تھا شیروں کا بن
یاد ہے جن کو بھلا سکتا نہیں طولِ زمن
کر دیے گردش نے دوراں کے نئے سامان ہزار
لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانے نے چلن
چھن گئے ہیں پاؤں سب پیدا کے سوتے مرد و زن
مشرق سے تا مغرب اور اُتر سے لیکر تا دکن
گر سلف کا اُن کے دل گردوں میں کچھ باقی ہو گن

ملک قوی دشمن کا ہو دیتے ہیں اُن کو سامنا | جس کی روندن میں ہزاروں ہو گئے ویراں چمن
سوکھ دی دریا کی رو حملے سے جو اُسکے بچا | کر دیا پربت کو رائی جس سے جیتا اُس سے رن
نام ہے اُس کا تعصّب اور جہالت ہے لقب | کجروی کا ہے وہ رہبر راستی کا راہزن

یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آگیا جس قوم پر،
ہو گئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

بند چہارم!

سہل مت سمجھو تعصّب کو بُری ہے یہ بلا | کر دیا ہے اِس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
حکم ہے اس کا کہ فاقہ ہے تو فاقے میں مرو | اور جو ذلّت ہے تو ذلّت پر رہو قانع سدا
حکم ہے اِسکا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہے | بس وہی ہے اُنکی عزّت اور شرف کی انتہا
باپ دادا ہو گئے ہیں چھوڑ یاں رسم و رواج | ناخلف ہے ایک انچ اُس سے اگر آگے بڑھا
آدم و حوّا نے گر پتّوں سے ڈھانکا تھا بدن | نسل میں اُن کی وہی پوشش رہی جاری سدا
نوح کی کشتی میں تختے تھے اگر اُن گھڑ لگے | ہوں جہاز اب بھی اُسی کینڈے کے بیچوں بیچ چرا
آدمی کا گھر ہوا ایسا ہی پُرانی چال کا | لومڑی کا جیسے بھٹ ہے اور بئے کا گھونسلا
ایک کا نام آدمی ہو، ایک کا ہو جانور | آدمی اور جانور میں ہو نہ فرق اسکے سوا
باپ دادا اسکے لیے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج | وہ گئے اور دم کے ساتھ اُنکا دمامہ بھی گیا
دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف | آگے آتا ہے گڑھا بعد اِسکے ہے تحت الثریٰ

اگر کرو زیر ایسے دشمن کو تو ہے مردانگی
جو اُبھرنے کی نہیں دیتا تمہیں پروانگی

مرثیہ حضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند مرحومہ

بند اوّل

شاہ ہوں یا ہوں گدا محکوم ہوں یا حکمراں | وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جنکی نیکیاں
جاگتا ہے اُن کا تا روزِ قیامت نامِ نیک | گو کہ ہیں وہ بے خبر سوتے لحد کے درمیاں
[illegible] دہر میں پڑ رہی اُن کی پکار | گم ہیں لیکن چپّے چپّے پر ہیں ثبت اُنکے نشاں

یاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجان و مرنج
اور چلے جس وقت دنیا سے گیے دنیا میں چھوڑ
اُن کا جینا کیسی نعمت ہو گی دُنیا کے لیے
زندگی سے اُن کی ہرگز نیتیں بھرتی نہیں
وقت رحلت یوں ترستی اُنکو رہجاتی ہے خلق
جن کی ایسی زندگی اور جنکی ایسی موت ہو
آج گھر گھر ہے وہی ماتم جہاں میں جس سے ہے

غیر سمجھے اُن کو اپنا - اور دشمن مہرباں
خوبیوں کی اپنی ایک اک کی زباں پر داستاں
جن کا مرنا اُن کے حق میں ہو حیات جاوداں
پائیں گر بالفرض عمر نوح بھی آ کر یہاں
ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں
اُن کا آنکھ جانا ہے بدبختی کی دُنیا کی نشاں
زلزلہ میں کینیڈا سے لیکے تا ہندوستاں

اے کوئن اسکندرینا! تجھکو کیا آ تی اجل
تجھمی دُنیا کے ہاتھوں سے گئی گویا نکل

ہے تری نیکی سے اُمیدوار زمیں کی بادشا
کر لیے تھے سب یگانوں اور بیگانوں کے دل
ہے دلیل اس کی یہ کافی فقط تیری مثال
کیجئے اقبال ہندی پر اگر تیسری نظر
مرتبہ ہے جو کہ سرحد سے تصور کی پرے
کی تجارت نے ترقی عہد میں یاں تک ترے
جس قدر علمی فتوحات اس زمانہ میں ہوئیں
علم میں روز ازل سے تھی جو اک طاقت نہاں
ہو گئے سر بڑا عظم میں ترے بر پا علم
شاعروں کے جسقدر رہے سلف میں تھے غلو

آسمانی بادشاہت میں خدا دے تجھکو جا
نیکیوں سے تو نے اپنی فتح اے وکٹوریا
مرد پر عورت فضیلت کا کرے گر ادعا
سامنے تیرے نہیں جچتا کوئی کشورکشا
قوم کو وال تک ترے اقبال نے پہنچا دیا
سلطنت ہے اسکے آگے ہیچ بے چون و چرا
دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں اُن کا پتا
صاحبی میں تیری یہ راز آشکارا ہو گیا
تیرے بیڑوں اور جہازوں سے سمندر پٹ گیا
حق میں تیرے وہ حقایق بن گئے سرتا پا

تھی خبر کس کو ؟ ہوا اک حرز دل کا پیڑ اتنا بڑا
جس کی شاخوں پہ کریں بسرا مرغان ہما

نوٹ ایک درجہ کی قومیہ جو ہندوؤں کے نزدیک دولت کی دیوی خیال کیجاتی ہے ۔ بائبل کی زبان میں
آسمان کی بادشاہت سے وہی مقامات مراد ہوتے ہیں جن کو قرآن مجید میں جنت و فردوس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے
وکٹوریا کے معنے لغت میں فتح کرنیوالی عورت کے ہیں ۔ صاحب ہے مراد سلطنت ۔ بانصرام درست نسق خانہ

بند سوم

وسعتِ قدرت نے بنایا گو کہ تھا عورت تجھے
پر جہاں مردوں پہ تھی عالم کے فوقیت تجھے

تجھ پہ وہ برکات یں کے ہو گئے جو ہونگے حلیم
حلمت اپنے ہی آفاق میں منت تجھے

وہ تسلی پائیں گے دُنیا میں جو جھیلیں گے غم
ہو چکے غم بس تسلی دیگی اب راحت تجھے

تو مبارک تھی کہ تجھکو صلح تھی دل سے پسند
دیگا فرزندی کا اب اپنی خدا خلعت تجھے

تو مبارک تھی کہ تھا پہلو میں تیرے پاک دل
ہو مبارک خلد میں دیدار کی نعمت تجھے

ملک میں اک نور تھی تو جیسے دیوٹ پر چراغ
دیکھکر ہوتا تھا روشن نیکیاں عزت تجھے

تو نمک تھی سر بسر گویا زمیں کے واسطے
خلق کا تصفیہ تصور کرتی تھی خلقت تجھے

دشمنوں پہ مہربان تھی تو دلوں سے تھی بھلی
حق نے دی اپنی خلافت کی تھی اہلیت تجھے

تجھ سے غیروں کو محبت تھی ہو تھا اپنوں کو فخر
غیر اور اپنے کرینگے یاد تا مدت تجھے

برکتیں دُنیا میں پھیلیں تیرے سر سے جس طرح
بس یونہی گنج لحد میں دے خدا برکت تجھے

فرد تھی اقبال میں خوبی نظیر اخلاق میں
تیرے مرنے سے ہے سناٹا سا اک آفاق میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۹۱ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں ۱۳ آسمان کی بادشاہت ایک رائی کے دانے کی مانند ہے جسے ایک شخص نے لیکر اپنے کھیت میں بویا ۳۲ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آکر اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتی ہیں (انجیل متی باب ۱۳) اس شعر میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے جو ملکہ کی نسبت کچھ بیان کرنا بھی یعنی کہ تخت انگلستان کی وارث ہونگی ہو اُن کی سلطنت اسقدر ترقی کریگی ۱۲۔

جیسے اپنے پہاڑی کے وعظ میں فرماتے ہیں ۵ مبارک وے جو حلیم ہیں کیونکہ وے زمین کے وارث ہونگے (متی باب ۵) ۴ مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وے تسلی پائینگے (متی باب ۵) ۹ مبارک وے جو صلح کرنے والے ہیں کیونکہ وے خدا کے فرزند کہلائینگے (متی باب ۵) ۸ مبارک وے جو پاکدل ہیں کیونکہ وے خدا کو دیکھینگے (متی باب ۵) ۱۴ تم دُنیا کے نور ہو ..... ۱۵ اور چراغ بلکے پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تب اُن سب کو جو گھر میں ہیں روشنی دیتا ۱۶ اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وے تمہارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے ستایش کریں (متی باب ۵) ۱۳ تم زمین کے نمک ہو (متی باب ۵) یعنی تم دنیا کی اصلاح کرنے والے ہو جیسا کہ نمک کھانے کی اصلاح کرتا ہے ۴۳ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت ۴۴ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں اُنکے لیے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں اُنکا بھلا کرو اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستاویں اُنکے لیے دعا مانگو ۴۵ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر اگاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے (متی باب ۵) ۱۲

بند چہارم

ہوگیا ہر فن تو تیرے عہد دولت میں نہال | ہم پہ بھی کچھ کم نہیں ہے سایۂ ابر نوال
شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا | وہ نہیں لاتے بجا شکر خدائے ذوالجلال
ہند نے پایا ترے دورِ حکومت میں وہ امن | اگلے زمانوں میں نہ تھا جسکا کہیں خواب و خیال
لی گئی قحط و وبا میں ملک کی جو یاں خبر | مشفقانہ تیرا اس میں آپ ہی اپنی مثال
شکر آزادی کا تیرے عہد کی ممکن نہیں | سب کا ہی احسان میں جکڑا ہوا ہے بال بال
ہم سمجھ لیتے کہ ہیں ہر قید سے آزاد ہم | قیدِ احساں سے ترے چھٹنے کی گر ہوتی مجال
گرچہ ممکن ہے کہ تیرے عہد دولت عہد میں | ہوں اگر بیٹھے ہیں تری کچھ لوگ زار و خستہ حال
پر خدا کی سلطنت میں بھی یہی ہے حالِ خلق | یاں خوشی ہے واں مصیبت ان کی یا ہے آل
کوئی قانونِ قدرت خالی از حکمت نہیں | پر نہیں اس ایک کو جو ایک کے ہے حسبِ حال
ہوں قوانینِ الٰہی یا قوانینِ بشر | ہے برابر سب کا ماضی اور خوش اپنا بحال

الغرض اس سے سوا خوبی نہ تھی امکان میں
کر گئی تو راج ہی خوبی سے ہندوستان میں

بند پنجم

خود ہمارے حال سے اے خانمِ دار القرار | برکتیں عہد ہمایوں کی ہیں تیرے آشکار
ہم پڑے سوتے تھے غافل ایسی گہری نیند میں | جاگنے کا تھا نہ گویا نصف تا روز شمار
جہل و نادانی سے تھی نوبت گئی یاں تک پہنچ | ہو گئے تھے خود وطن پر اپنے ہم گویا کہ بار
پر جگا کر چھوڑا بانگِ طبلِ شاہی نے ہمیں | ایسی ڈالی ملک میں ہر سو ترقی کی پکار
سن کے اٹھ بیٹھے صدائے طبل جو تھے بیہوش | سر سے اترا نیند کا صدیوں کی وہ آخر خمار
قوم میں ڈالی بنا تعلیم کی جسکے بغیر | کھو چکے تھے اپنا ہم ہندوستاں میں اعتبار
ہے علیگڑھ میں ہماری یہ جو قومی درسگاہ | ہے حقیقت میں یہ تیرے نام کی اک یادگار
اُس[1] کی رسمِ فونڈیشن اور جشنِ قیصری | دونوں تقریبیں ہوئی ہیں ایک ہی وقت آشکار
نیو[2] رکھنے اس کی یاں آیا ترا قائم مقام | تو[3] نے خود اسکو کتابیں بھیجی بخشا وقار

[1] علیگڑھ محمڈن کالج کی فونڈیشن کی رسم ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو اور دربار قیصری پہلی جنوری ۱۸۷۷ء کو ہوا تھا۔
[2] کالج کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن ویسرائے کشور ہند نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا ۱۲ [3] حضور ملکہ معظمہ نے چند کتابیں جن کی جلدیں طلائی اور جن کی چھپائی نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اپنے دستخطِ خاص ثبت فرما کر کالج کو مرحمت کی تھیں ۱۲

جب تلک قایم ہے کالج جب تلک باقی ہے قوم | شہنشاہی عطیہ یاں رہے گا یادگار

ہے یقیں کالج کو پھلتا پھولتا دیکھیں گے ہم
جانشیں تیرا قدم پر تیرے رکھے گا قدم

بند ہشتم

ہے اب اے اڈورڈ ہفتم اسکا تو نعم البدل | سایۂ شفقت گیا ہے جو ہمارے سر سے ٹل
ہے رگوں میں تیری خوں اڈورڈ اور البرٹ کا | ہو نگے عقدے ملک کے تدبیر سے تیری حل
جو ہیننگ امبر میں جسکی اور جرمنی تال میں | ہو گئے پھول اس نخل کے کیسے مبارک در پھل
ہے لطافت جسمیں ماں کی اور صلاوت باپ کی | تیری گھٹی میں پڑا ہے شربت شیر و عسل
باپ کی بھی تجھکو کہہ سکتے ہیں۔ ماں کی بھی مثال | جیسے کہہ سکتے ہیں جل کو امرت اور امرت کو جل
تمنے پھیلائی ہے اور پھیلاؤ گے نیکی سدا | ہیں گھرانے کی تمہارے نیکیاں ضرب المثل
ہو غلو اس میں نہ شاید اے بزرگ خانداں | گاسپل کا کہیے گر تم کو نمونہ فی المثل
جو محبت تمہاری یاں ہمیں کی ہیں سر | وہ نہیں کر سکتے سر میدان میں فوجیں کے دل
جس عقیدت کا گیا تھا ہند میں تو بیج بو | اب ملا ہے ملک کو اظہار کا اس کے محل
ہے دعا حق سے کہ جبتک عدل سے قایم ہیں ملک | تیری شاہی اور شہنشاہی رہے یارب اٹل

ملک ہر آفت سے تیرے عہد میں مامون رہے
دبدبہ بیٹے کا ماں کی طرح روزافزوں رہے

گدایانِ قوم

جن کو ہے حب الوطنی کا خیال | بحث میں لاتے ہیں یہ اکثر سوال
مانگتے پھرتے ہیں جو اکثر گدا | دینا ہے کچھ ان کو بھلا یا برا
فرنسہ ہے گنسٹر تو ان میں جو ایک | کہتا ہے دینا ہے بہر حال نیک
مانگنے کی گو کہ ہے عادت بری | ہے بھی ہے بخل کی خصلت بری
رد نہ سوالِ فقرا کیجیے | جان بھی مانگیں تو فدا کیجیے
داد و دہش کے ہیں نتائج بڑے | اس سخا کے ہیں مدارج بڑے

خیر کے کام آج جنھوں نے کیے
اُن کے لیے وقف ہے دار السّلام
ملک میں جو لوگ ہیں دیرینہ سال
پر لبرل کی ہے خلاف اُنکے رائے
کہتے ہیں وہ دیتے ہیں سائل کو جو
رہتا ہے دُنیا کا نہ وہ دین کا
اُسکو نہ غیرت نہ حمیّت ہے کچھ
قوتیں جو اُسکو ہوئی تھیں عطا
جاتا رہا مانگنے کو ہے زبان
سونگھنے کو ناک ہے بہرِ طعام
پانوں ہیں پھرنے کے لیے دربدر
دیتے ہیں جو بھیک انھیں صبح و شام
جو کہ سوال اُن کا نہیں کرتے رَدّ
مانگنا خود اُن کو سکھاتے ہیں وہ
بعضوں کو اِس بات میں یاں تک ہے کَد
کیجئے سرکار سے فریاد و داد
ایسا وہ قانون بنائے کوئی
ہے لبرل کی یہی کوشش اگر
ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا
مانگتے اب پھرتے ہیں جو دربدر
ہے مگر اک فرقہ سوا اِن کے اور
جتنے بھکاری کہیں نزدیک و دور
چور رہیں اُن سے اچھوتے نہ ہوں
ملکے صدا سارے لگاتے ہیں جب
وضع اگر دیکھیے تو سر بسر

کوثر و جنّت ہے گُل اُن کے لیے
اُن کا ہے فردوس میں اعلیٰ مقام
ہے یہی قال اُن کا یہی اُنکا حال
جس میں بظاہر نہیں حجّت کی جا سے
دونوں جہاں سے اُسے دیتے ہیں کھو
شرع کا پابند نہ آئین کا
اور نہ ڈھٹائی سے ندامت ہے کچھ
سب کو دیا خاک میں اُس نے ملا
دُور و نزدیک سُننے کی خاطر ہیں کان
دیکھنے کو آنکھ ہے خوانِ کرام
جوڑنے کو ہاتھ ہیں پیشِ بشر
وہ کوئی نیکی کا نہیں کرتے کام
مُلک میں پھیلاتے ہیں اخلاقِ بد
حوصلہ دے دے کے بڑھاتے ہیں عدد
رد کیے قانون سے یہ رسمِ بد
تا کہ کرے مانگنے کا انسداد
بھیک نہ پھر مانگنے پائے کوئی
لائے گی آخر کو یہ کوشش ثمر
مانگنا اک جرم ٹھہر جائے گا
آئے گی پرچھائیں نہ اُن کی نظر
مانگنے کے سب جنکے نرالے ہیں طور
کان پکڑتے ہیں سب اُن کے حضور
مانگتا ہے اُن سے زمانہ پناہ
انگلیاں دیتے [illegible] سب
آتے ہیں خلقت کے [illegible] نظر

شکلیں ثقہ ڈاڑھیاں اکثر سفید
ہے کوئی شمس العلما کوئی سر
ملک کا مشہور ہے محسن کوئی
ہے کوئی شاعر تو ہے کوئی حکیم
جنکے یہ درجے ہیں یہ رتبے یہ شان
در پہ انکے آکے جگاتے ہیں جب
مانگنے پہ پھر جو اترتے ہیں شریر
ایسوں کو بتلاؤ بھلا دیجے کیا
دیتے ہیں مسکین کو خیرات جب
ایک اگر دیتا ہے انسان یاں
پر یہ دلاتے نہیں کوئی امید
وعدۂ عقبےٰ انہیں کرتے کبھی
کہتے ہیں یہ صاف بصد شد و مد
کہتے ہیں دیتے رہو کام تم
زاد رہ حشر ورنہ اکارت ہے یہ
ہیں یہ دلیلیں مگر اُن کی فضول
ہم انہیں معقول نہیں جانتے
پر نہیں اک بات کا اُن کی جواب
کہتے ہیں انسان اٹھاتا ہے جو
اُنکی ہو عقبےٰ میں اگر کچھ جزا
کھانے کی ہے جیسے ضرورت اُسے
چاہیے جس طرح کہ رہنے کو گھر
چاہیے نفقہ پئے فرزند و زن
فرض اسی طرح ہے امداد قوم
کہتے ہیں دنیا ہے جب تک لگا

باتیں یہ مذکورہ کریں دل میں جدید
خان بہادر ہے کوئی ڈاکٹر
کوئی مسٹر ہے تو ہے کم بن کوئی
رکھتا ہے دیکھو جسے شانِ عظیم
جوگیوں کے کترتے اُنکے ہیں کان
جنکے گھروں سے نکل آتے ہیں جب
ہوتے ہیں لاکھوں ہزاروں کی سیر
دیجے تو پھر اسکے عوض لیجے کیا
دیتے ہیں امید پہ عقبےٰ کی سب
رکھتا ہے ہفتاد کی امید واں
دیتے بشارت ہیں نہ کوئی نوید
خلد کی حامی نہیں بھرتے کبھی
ہے وہ بیج جسمیں ہو داد و ستد
لینے کا زنہار نہ لو نام تم
یہ نہیں خیرات تجارت ہے یہ
پھیریوں کہتے ہیں سارے اصول
ایسی دلیلوں کو نہیں مانتے
جنکے ہے زہرہ ہو پتھر کا آپ
اپنے حوائج میں زر و سیم کو
قوم کی امداد کا بھی ہو صلہ
پانی کی جس طرح ہے حاجت اسے
زادِ سفر چاہیے بہرِ سفر
چاہیے آرام پئے جان و تن
یادِ خدا پہلے ہے پھر یادِ قوم
دل میں بشر کے ہے اُسکا وجود

بھاگتے جب تک کہ نہ اُٹھتے سب
رہنا یہاں چاہتے عزت سے سب

جب تلک سنسار میں ہے غیرت کی شان
چپٹے ہیں اِس خاک کے باقی ہے آن

قوم کی طاقت کا بڑھانا ہے فرض
قوم کا قرضہ یہ چکانا ہے فرض

فرض یہ محسوس ہوا ہے جنھیں
کل نہیں اس فرض سے دم بھر اُنھیں

قوم کی رفعت کے ہیں طالب سدا
سو سکے تو انکو دھن ہیں اُٹھا

جانتے ہیں اپنی یہی برتری
قوم کی کوئی نہ کرے ہمسری

اپنی سمجھتے ہیں بڑائی یہی
قوم ہو آفاق میں اُن کی بڑی

قوم شریک اُن کی کمائی میں ہے
قوم کی جنت اُن کی بھلائی میں ہے

اُنکی ہر اک راہ میں ساتھی ہے قوم
جان میں اور مال میں ساجھی ہے قوم

صدائے گدایان قوم[1]

ڈھونڈتے خضر مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہیں سنکر ہوں نہ پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُس کا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے[2]
آج اس ویرانی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

قوم کو بھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
جستجو میں اُس کی مشعل لیکے یاں آئے ہیں ہم

تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلیے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم

خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا
ذلتیں یہ کرکے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم

فخر سب بیجا ہیں آگے قوم ہے جن کی ذلیل
فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم

ہے بنی ہاشم کی جہاں پروری ضرب المثل
اسلیے اے اہلِ ہمت یہاں آئے ہیں ہم

تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آبِ حیات
لیکے مونھ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

---

[1] پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنھوں نے اپنی جماعت کا نام گدایان قوم رکھا تھا ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنے کے لیے جانے کا ارادہ کیا تھا اور ان کا قصد تھا کہ حضور میں یہ اشعار پڑھے جائیں لیکن غالباً اُن کا جانا نہیں ہوا ۱۲

[2] چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کے عہد میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اسلیے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا ہے ۱۲

تحفۃ الاخوان

یہ دلگداز نظم مولانا حالی نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس واقع ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء
میں جو بمقام دہلی منعقد ہوا تھا پڑھکر سنائی تھی

پہلا بند

دو میں تو انکار اگر تم کو بداہت کا نہیں
اکادکے سے لے کو تا کہ ۔ ذرہ سے لے تا آفتاب
ایک مرتّب سلسلہ پاؤ گے واں اسباب کا
یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
بھاپ اُٹھے گی سمندر سے تو اُمڈے گی گھٹا
ہے یہ وہ قانونِ محکم مالکِ مختار کا
وہ ہی قانون ہے جس سے لگا لیتے ہیں کھوج
جان لیتے ہیں کہ آمد ہے خزاں کی باغ میں
دیکھ لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے پانی پر بنا
بسکہ ہے اُن کو قوانینِ الٰہی پر وثوق

عالمِ اسباب ہے دنیا اِسے جانو یقیں
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی حبل المتیں
دشت میں پتّا کھڑکتا تم اگر دیکھو کہیں
لیکن اُس قیّوم بے ہمتا کی یہ عادت نہیں
آسماں برسے گا جب ۔ اُگلے گی تب دولت زمیں
جو کہ سطحِ خاک سے نافذ ہے تا چرخِ بریں
وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام بیں
ٹہنیوں سے خودبخود جب پتّیاں جھڑنے لگیں
کوئی دن میں وہ رہیگا ہو کے پیوندِ زمیں
اِسلیے رکھتے ہیں اہلِ پیش گوئی پر یقیں

دیکھتے ہیں روشنی جب دن کی وہ جاتی ہوئی
اُنکو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

دوسرا بند

جبکہ قانونِ الٰہی کا یہ ٹھیرا مقتضا
دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس قوم کا ہونا ہے حال
ساری قومیں بہ رہی ہیں وقت کا ساتھ آجکل
ہیں رواں تیراک سب دریا کی رَو کے ساتھ ساتھ
اور اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
اور قومیں ہیں جہاں مالِ تجارت بیچتی

وہ رہیگا ہو کے جو ہے مقتضا اسباب کا
شاہراہِ عام سے ہے جس کی پگڈنڈی جدا
اور ان کی یہ اَڑ ہے وہ جو وقت کا ہے مقتضا
اور انہیں کد ہے کہ دیں دریا کی رَو اُلٹی بہا
یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بجا
یہ وہاں گھر بار کے کرتے ہیں کوڑے برملا

جتنے اوروں میں ہیں کھاؤ اُتنے ہی واں ہیں کماؤ
اور مفلس ہوں تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
اور ہیں سب سود لینے میں یہ دینے میں دلیر
جب کوئی اوروں میں ہو جاتا ہے دولت سے نہال
یاں گیا بلّی کے بھاگوں ٹوٹ اگر چھینکا کہیں
اور تنگی سے گذارا کرتے ہیں آج اس لیے
یاں کسی کو مل گیا گر آج تر لقمہ تو پھر

یاں کماؤ ایک ہے تو کھانے والا ہے کنبہ
یہ جو مفلس ہوں تو قسمت کا کریں جا کر گلا
اور ہیں سب لوٹنے پر یہ لٹانے پر فدا
اپنی نسلوں میں وہ جڑ دولت کی جاتا ہے جما
پڑ گئی پشتوں تلک واں فاقہ مستی کی بنا
تاکہ غیروں کی نہ کرنی پڑے کچھ التجا
اُنکو کچھ پروا نہیں اس کی کہ کل کھائینگے کیا

زندگی جس قوم کی دُنیا میں گذرے اس طرح
وہ رہے گی قوم دُنیا میں بنا تو کس طرح

تیسرا بند

نیند غفلت کی ہے سرتاسر مسلّط قوم پر
مصر کی ممیاں ہیں سب گویا نہیں جن میں حیات
خاندانوں کو رہا ہے میٹ دورِ روزگار
پر نگاہِ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
بھیڑیا نوبت بنوبت گو سفیدوں کو شکار
ہم جو بنتے بھی ہیں تو اکثر بگڑنے کے لیے
قوم کو اپنے تنزّل سے اُبھرنے کی اُمید
اہلِ دولت کا ہے اس عالم سے اک عالم جدا
جن دعاؤں کی پہنچ ہے عالمِ بالا تلک
اب وہ ہے عالم سو اتنا سوفتہ اُنکو کہاں
کون جا کر چین میں پھیریں کی دعوت کرے
حجّتِ حق کون لندن میں کرے جا کر تمام
کون ہے اُن کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
اُنکی غفلت کا وہ عالم ہے کہ فرصت کا ہے خیال

سب کی آنکھیں ہیں کھلی سوتے ہیں لیکن بے خبر
گو کہ جیتے جاگتے آتے ہیں ظاہر میں نظر
آج گبڑا ہے گھرانا اور کل اُجڑا وہ گھر
جانتے ہیں دورِ گردوں کا نہیں ہم تک گذر
کر رہے ہیں اور نہیں کچھ گو سفیدوں کو خبر
گرتے ہیں بانسوں اُچھلتے ہیں اگر بالشت بھر
اہلِ علم و اہلِ دولت سے بہت کچھ تھی مگر
عالمِ بالا سے بھی ہے جو کہ منزل اُدھر
اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک اِنکے گذر
دین کا پھر کون ہے دُنیا میں وہ اُلجھیں اگر
کون گمراہوں کی لے جاپان میں جا کر خبر
کون برلن میں کرے تبلیغِ قرآن و خبر
ملکے آپس میں ہوئے کبھی شیر و شکر
ہو یہ بیزاریوں نہ پھر منجدھار میں زیر و زبر

ہمیں یہی گر قوم کی ساتھ آج بے پروائیاں

تو یہ سن لو غافلو اگلی ہیں کھری رسوائیاں

چوتھا بند

پڑ رہی ہے چار سو دوڑ دھوپ کی یاں پکار — نیند کے ماتو نہیں اب وقت غفلت ہوشیار
ہو رہا ہے عرصۂ آفاق میں قوموں کی دوڑ — بڑھ رہے پیادوں سے پیادے ہیں سواروں سے سوار
تھوڑی تھوڑی غفلتوں پر ہر رہی ہیں بازیاں — چال چوکا اور ہوئی گردن پہ ہار آکر سوار
بولو اور گھڑدوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو — جو یہاں ہارا ہوئی ذلت گلے کا اس کی ہار
قوم جو اِن دوڑ میں ہاری اسے سمجھو کہ وہ — ہو گئی زورآزمائی کا حریفوں کی شکار
سایہ میں ہر گدھ کے جیسے جل کے رہجاتی ہے گھاس — زورمندوں میں یونہی ہوتی ہے مٹی اس کی خوار
حق رہا ہے غالب کا کہ کچلے اور دبے مغلوب کو — ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی — اور یہی جاری رہیگا دور تا روزِ شمار
قوم کا درجہ سے گر جانا ہے اپنے وہ گناہ — ہر کسب جس کا نہیں بچتا سزا سے زینہار
یاد رکھو دوستو سنت ہے یہ اللہ کی — جو نہ بدلی ہے نہ بدلیگی الی یوم القرار

جو بڑھے گا۔ حوصلہ اس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا اپنے درجہ سے۔ گرایا جائے گا

پانچواں بند

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یار سب کچھ سیکھ کر — جو مہم درپیش تھی وہ کر چکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانی تھی سو پھیلا چکے — ہو گیا وہ بیج جو بویا تھا نخلِ بار ور
پر جو سچ پوچھو تو ہم اب تک اسی منزل میں ہیں — باندھ کر اٹھے تھے جس منزل سے احرامِ سفر
روشنیِ تعلیم کی کچھ کچھ جو یاں پاتے ہو تم — سب یہ جگنو کیسے چمکار ہے ہیں اے اہلِ نظر
ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا — اس اندھیرے ہی میں آتے ہیں یہ سب جلوے نظر
ساتھ ہو جاتے ہیں چمکارے ابھی کافور یہ — اِس اندھیرے سے ذرا نکلو اجالے میں اگر
ہے ہمیں یہ مانا کہ تھے ہم جو زمیں پکڑے ہوئے — اس سے آگے کچھ قدم ہم نے بڑھایا ہے۔ مگر
دیکھنا یہ ہے کہ اوروں سے ہے کیا نسبت ہمیں — اور بڑھتے ہیں گزوں بڑھتے ہیں ہم گر انچ بھر
جبکہ ٹھیری ہم میں اور اوروں میں یہ نسبت تو ہم — آتے ہی یاں گھٹ رہے ہیں بڑھ رہی ہیں جسقدر
پست ہی ہمسر سے جواب یہ سمجھا دو اسے — خاک ہے وہ گو کہ ہے پہنچا ہوا افلاک پر

اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم — کیا تجارت کیا صناعت اور کیا علم و ہنر
کھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک میں — جن کے مالک ہیں وطن کے اہلِ ہمت سر بسر
جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اک فالِ نیک — جن میں امیدیں ہیں ہم کو مثلِ روزِ روشن جلوہ گر
قوم کا حصہ نہ واں پاؤ گے تم اس کے سوا — دن چھپے قلیوں کی اک فوج آئے گی تم کو نظر

کون سا پستی کا درجہ اب رہا ہے اس کے بعد
یہ وہ پستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہے اسکے بعد

چھٹا بند

ہم نے مانا ہو منافی جن سے دورِ ماہ و سال — بھاگوان ایسے بھی ہیں اِس قوم میں خال خال
چند جانیں بچ رہی تھیں جو کہ قومِ لوط سے — ساتھ جن میں ہے وہ ان بھاگوانوں کی مثال
اُن کی کیا عزت ہو یا وہ قوم ہے جن کی ذلیل — انکو کیا راحت ہو جن کی قوم ہے سب خستہ حال
ہے وہ دنیا تول ہی غلیوں سے جیسے ایک میش — ہے ہزاروں مفلسوں میں ایک آسودہ حال
شال آئی ہی سے ہو وہ اب سو مرتبہ بدتر جہاں — ہوں ہزاروں گدڑیاں اور ایک کندہ شال
یاد رکھو ہے بہت دامن فراخ اسلام کا — دی ہی بنیادِ اخوت جس نے کل امت میں ڈال
ہیں اسی امت میں جو دھوتے ہیں جن بھر کو گری — ہم اسی امت میں ہیں جن سے گئے دن اِت کمال
ہیں انھیں میں جنکے سینے میں نہیں آیا ایماں — جب سے آئے ہم اُن کی خلق دیکھا ہو گھر اپنا کال
ہیں انھیں میں جو کہ ہیں نقشہ فرزند و زن — سامنے ایک ایک بھائی کے ہے جب پیشِ سوال
اِن عزیزوں کی اخوت سے جنھیں آتا ہو ننگ — نام ہیں فہرستِ اسلام کی اپنا نکال
ورنہ ذلت سے نکالیں ان کو اور پہچان لیں — ان کی ذلت میں انھیں عزت سے رہنا ہے محال
گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی — غیر قوموں میں نہیں ممکن اُسے جز انفعال
کہتے ہیں غیر انکو ہم جنسوں میں اجلا دیکھ کر — ہو وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال

دو ہی خطرہ ہے جنکے ڈر سے مال و جان سب
کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

ساتواں بند

وہ گئے دن جبکہ تھے مختارِ مطلق حکمراں — قسمتوں کی قبضۂ قدرت میں تھی اُنکے عناں
ہاتھ میں غسال کے مُردہ ہو جیسے جس طرح — تھے جہاں بانوں کے ہاتھ میں یونہیں اہلِ جہاں

تھا رعیت کا کوئی ہمدرد تو تھا بادشاہ
اور مصلح تھا کوئی اسکا تو تھا خود حکمراں

تھی نہ اہلِ ملک کو قومی مقاصد سے غرض
تھا نہ قومیت کا قوموں میں کہیں باقی نشاں

خواہشیں سب کی جدا۔ اغراض تھیں سب کی الگ
اپنے اپنے راگ تھے اور اپنی اپنی ڈفلیاں

قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی
پیش قدمی سے رکے کب کے کھڑے تھے کارواں

بند تھے ناکے ترقی کے کہ آخر غیب سے
آیا اک سیلاب آزادی کا ریلا ناگہاں

جس نے سب روکیں ہٹا کر کر دیا میدان صاف
غار باقی رہا نہ ٹیلا اور نہ کوئی درمیاں

ایک قانونِ مسلّم کی اطاعت کے سوا
ہو گئے ہر قید سے آزاد سب خورد و کلاں

کر دیئے انصاف نے ہموار سب پست و بلند
آ گئے سب ایک لیول پر قوی اور ناتواں

اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سدِّ راہ
اور نہ قوموں کی مدارج میں تفاوت درمیاں

سلطنت نے سب کو دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کی تول
وزن میں پلڑا نہیں کوئی سبک کوئی گراں

جنکو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں
انکو کرنے ہوں گے اب جوہر اصالت کے عیاں

ورنہ لینے ہوں گے واپس اپنے سب دعوے انھیں
اور بھلانی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں

وہ گئے دن جبکہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا
انقلاباتِ جہاں یا اتفاقاتِ زماں

اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار
ہوگا جو کرار اسی کو مرحمت ہوگا نشاں

قسمتوں کی آزمائش کا زمانہ ہو چکا
ہے بس اب یاں ہمتوں اور غیرتوں کا امتحاں

ہے تمہارے اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی
ہو تمھیں اپنے مسیحا اور تمھیں ہو جانستاں

یا کرو کوشش کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جان
اور دکھا دو خلق کو اس راکھ سے اٹھتا دھواں

یا رہو دنیا میں بھنگوں اور لشتوں کی طرح
جنکا ہے دنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایکساں

قوم گنتی میں ہو گر مور و ملخ سے بھی سوا
مر گئے جب قوم کے دل قوم میں پھر کیا رہا

تمام شد

ہمارے کارخانہ کی بعض قومی اور اسلامی کتابیں

مضامین حالی

یہ ہندوستان کے نہایت نامور مضمون نگار، سوانح نویس مصنف اور ملک الشعرا شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی کے تمام پاکیزہ اور اعلیٰ نثر مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کی ایک ایک جلد ہر ایک مسلمان کو زیر مطالعہ رکھنی چاہیے۔ قیمت صرف ۱۲؍

مسدس حالی مع ضمیمہ

یہ وہی مسدس ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں قومی ہمدردی کی روح پھونک دی ہے اور ہر ایک مسلمان کے دل میں قومی ترقی کی اُمنگ ڈال دی ہے ہم نے اس بے نظیر مسدس کا جو اڈیشن چھپوایا ہے اُس کے آخر میں وہ دلچسپ خط بھی درج کیا گیا ہے جو سر سید مرحوم نے مولانا حالی کو اُس وقت لکھا تھا جبکہ مولانا نے مسدس چھپوا کر اُن کی خدمت میں پہلی دفعہ بھیجا تھا۔ یہ خط قابل دید ہے۔ قیمت صرف ۸؍

مجموعۂ نظم حالی

مولانا حالی کی چند مسلسل اور دلکش نظموں کا مجموعہ جو بار بار طبع ہو چکا ہے مگر ہم نے جو مجموعہ چھپوایا ہے وہ اور مطبعوں کے چھپے ہوئے مجموعہ سے مختلف ہے کیونکہ اور مطبعوں کے مجموعہ میں صرف چودہ نظمیں ہیں اور ہمارے مجموعہ میں اُنیس نظمیں۔ باوجود اس زیادتی کے قیمت میں بہت کم اضافہ کیا گیا ہے نظموں کی فہرست یہ ہے۔ (۱) برکھا رت (۲) نشاط اُمید (۳) حُبِ وطن (۴) مناظرۂ رحم و انصاف (۵) ننگ خدمت (۶) مدرسۃ العلوم مسلمانان (۷) تعصب و انصاف (۸) کلمۃ الحق (۹) مناظرہ واعظ و شاعر (۱۰) جشن جوبلی۔ (۱۱) چھوٹ اور ایکے کا مناظرہ (۱۲) تعلیم مسلمانان (۱۳) جوانمردی کا کام (۱۴) زمزمۂ قیصری (۱۵) گدایانِ قوم۔ (۱۶) صدائے گدایانِ قوم (۱۷) نظم رامپور (۱۸) مرثیہ حضرت ملکہ معظمہ مرحومہ (۱۹) تحفۃ الاخوان قیمت ۳؍

حقوق اولاد

یہ ایک چھوٹی سی مثنوی ہے جو مولانا حالی کے قلم سے نکلی ہے بچے اور بچوں کے والدین اس کو ضرور مطالعہ کریں۔ قیمت صرف ۱؍

مناجات بیوہ

یہ بھی ہمارے قومی شاعر مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی ایک مشہور اور بے نظیر نظم ہے جس میں ہندوستان کی بیوہ عورتوں کی درد ناک حالت انھیں کے دردناک الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ قیمت ۲ر

شکوۂ ہند

یہ ایک ترکیب بند ہے جو مولانا حالی کی تصنیف کی ہوئی نظموں میں بہت مشہور ہے۔ اس میں وہ انقلاب بیان کیا گیا ہے جو سر چشمۂ اسلام سے جدا ہو کر ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے سے مسلمانوں کی حالت میں ہوا۔ آخر میں ایک اور نظم ہے جو عرض حال کے نام سے مشہور ہے اور اس میں مسلمانوں کی موجودہ حالت جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں بطور مناجات کے عرض کی گئی ہے قیمت صرف ۱ر

روح اسلام

سلیس اور با محاورہ اردو میں اُن حدیثوں کا بے نظیر مجموعہ جو حسن اخلاق اور حسن معاشرت کے مضمون پر ہیں اور جو اس قابل ہیں کہ تمام مسلمان اُن کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ کل حدیثوں کے ساتھ راویوں کے نام اور اُن کتابوں کے حوالے درج کیے گئے ہیں جن سے وہ حدیثیں انتخاب کی گئی ہیں اور جو تعداد میں چالیس کے قریب ہیں۔ ایسی بے مثل اور مفید کتاب بلا مبالغہ آج تک اردو زبان میں نہیں چھپی تھی۔ وہ مسلمان بہت ہی خوش قسمت ہوگا جس کے مطالعہ میں یہ کتاب ہر وقت رہے۔ قیمت ۸ر

گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے مسلمان

یہ کتاب حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ کی تصنیف ہے اور دو بارہ طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں روشن ضمیر مصنف نے مسلمانوں کی موجودہ اور گذشتہ حالت کی تصویر نہایت قابلیت سے کھینچ کر دکھائی ہے اور مسلمانوں کی ترقی اور تنزل پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب ایک دفعہ ہر مسلمان کو پڑھنی چاہیے قیمت صرف ۶ر

کتابوں کے ملنے کا پتہ منیجر حالی پریس پانی پت ضلع کرنال